بے نیاز انہ زشوریدہ نوایم مگذر!
مرغ لاہوتم و از دوست پیامے دارم

باقیاتِ اقبالؔ

مرتبہ
سیّد عبدالواحد معینی ایم۔ اے (آکسن)
معتمد مجلس اقبال کراچی

مکتبہ نگین دلی

قیمت

تین روپے ۳/۰۰

(مطبوعہ پیام وطن پریس دہلی)

فہرست کتب

نذرِ عقیدت

درسِ ماضی از کتابِ حال گیر
ساغر از خم خانۂ اقبالؔ گیر

حضرتِ اقبالؔ آں بالغ نظر
دارد از بود و نبود ما خبر

ما بہ ذوقِ سوختن کم ساختیم
بیخودی را از خودی نشناختیم

آں نوا پردازِ اسرارِ ازل
شہسوارِ عرصۂ علم و عمل

بیخودی را در خودی منزل شناس
در غبارِ کارواں محمل شناس

از نوائش بزمِ یورپ در خروش
حکمتِ امریکہ او را اسفتہ گوش

نالہ ہائے آتشینِ آں حکیم
سوخت رخت فتنۂ اُمید و بیم

ساخت با دلہا و بودش ہیچ نیست
سوخت دل ہا را و درد ہیچ نیست

نہ از ساقی نہ از پیمانہ گفتم
حدیثِ عشق بے باکانہ گفتم
شنیدم آں چہ از پاکانِ اُمّت
ترا با شوخیِٔ رندانہ گفتم

انتساب

میں اس مجموعۂ کلامِ اقبالؔ کو اپنے پیارے جواں مرگ برادرزادہ عبدالاحد معینی اجمیری ایم، اے، ایل، ایل، بی سابق سب جج اجمیر کے نام پر معنون کرتا ہوں۔ مرحوم نے اس مجموعہ کی ترتیب میں میری بے حد مدد کی تھی۔

آج مرحوم حیدرآباد سندھ میں اپنے پروردگار کے آغوشِ رحمت میں ہمیشہ کی نیند سو رہا ہے۔ اگر وہ زندہ ہوتا تو اس مجموعہ کے مطالعہ سے بے حد محظوظ ہوتا۔

اے روشنئ دیدۂ روشن چگونۂ
من بے تو تیرہ روز و تو بے من چگونۂ
ماتم سرا ست خانۂ من در فراق تو!
تو زیرِ خاک ساختہ مسکن چگونۂ
بر خار و خس کہ بستر و بالین خواب تست
اے یاسمن عذار سمن تن چگونۂ

پیش لفظ

اس مختصر مجموعہ میں حضرت اقبالؒ کے اس کلام کو شائع کیا جا رہا ہے جو ان کی مطبوعہ تصانیف میں نہیں ہے۔ مدتوں علامہ مرحوم کا یہ دستور رہا کہ جب کوئی نظم لکھتے تو اس کو کسی رسالے میں اشاعت کے لئے بھجوا دیتے یا کسی دوست کو دے دیتے۔ جب علامہ کو اردو کلام کے پہلے کلیات کے شائع کرنے کا خیال آیا تو جو نظمیں بآسانی دستیاب ہو سکیں یا جو ان کو یاد تھیں صرف وہی نظمیں اس میں شامل کر دی گئیں۔ "بانگ درا" کی اشاعت سے پہلے اکثر عقیدت مندانِ اقبالؒ کا یہ دستور تھا کہ جب علامہ مرحوم کا کلام کسی رسالہ میں شائع ہوتا تو اس کو جمع کر لیتے۔ علامہ کا بیشتر کلام مخزن اور زمیندار میں شائع ہوتا تھا۔ مگر کبھی کبھی پنجاب کے دوسرے اخبارات میں بھی شائع ہوتا تھا۔

غرض کہ اس کلام کا جمع کرنا آسان نہ تھا۔ مگر دلدادگان اقبالؒ ہمہ تلاش میں رہتے تھے اور اکثر اصحاب کے پاس "بانگ درا" کی اشاعت سے پہلے ہی کلامِ اقبالؒ کا کافی ذخیرہ موجود تھا۔ اس میں سے ایک شیخ عبدالحمید صاحب ایم' اے علی گڈھ میں طالب علم تھے۔ ان کے پاس علامہ مرحوم کے کلام کا ایک نایاب مجموعہ تھا۔ یہ صاحب بڑی دریا دلی سے دوستوں کو اس مجموعہ سے

استفادہ کا موقعہ دیا کرتے تھے۔ دوسرے صاحب مولوی عبدالرزاق حیدرآبادی ہیں ان کو علامہ کے کلام سے عشق تھا۔ عبدالرزاق صاحب نے بعد میں اپنا مجموعہ کلیاتِ اقبالؒ کے نام سے شائع کر دیا۔

میں نے عبدالرزاق صاحب کے مشورہ اور ان کے مرتبہ کلیات سے پورا فائدہ اٹھایا۔ جب میں سری نگر گیا تو وہاں منشی سراج الدین صاحب مرحوم کی ضخیم بیاضوں میں علامہ کی بہت سی غیر مطبوعہ نظمیں ہیں۔ منشی صاحب کو قدرت نے شعر و سخن کا عجیب ذوق عطا کیا تھا اور وہ جب تک زندہ رہے سری نگر اُن کی وجہ سے ایک ادبی مرکز بنا رہا۔

علامہ مرحوم سے ان کے نہایت دوستانہ تعلقات تھے اور خط و کتابت رہتی تھی۔ علامہ ان کو اکثر کلام بھیجتے رہتے تھے۔ منشی صاحب ان خطوط کو جن پر علامہ کا کلام ہوتا تھا۔ نہایت احتیاط سے بیاض میں چسپاں کر کے رکھ لیا کرتے تھے۔

عالی جناب دین محمد صاحب گورنر سندھ نے میری رہنمائی فرمائی۔ دین محمد صاحب علامہ مرحوم کے دوستوں میں سے ہیں اور ان کو علامہ کا بیشتر کلام حفظ یاد ہے۔ حیدرآباد دکن میں بعض احباب نے میری مدد فرمائی۔ اور جناب ڈاکٹر محی الدین صاحب زورؔ کے نایاب کتب خانہ سے بے حد مدد ملی۔ اس کتب خانہ میں اُردو رسائل و جرائد کی مکمل جلدیں موجود ہیں۔ اُن سے بھی فائدہ اُٹھایا۔

غرض گذشتہ چالیس سال سے کلام اقبالؔ کا جمع کرنا میرا محبوب مشغلہ رہا ہے۔ اور اس کے لئے میں نے اکثر طویل سفر بھی اختیار کئے۔

غبارِ راہ گشتم سرمہ گشتم طوطیا گشتم
بچندیں رنگ گشتم تا بچشمت آشنا گشتم

میری ان ناچیز کوششوں کے نتیجے میں میرے پاس علامہ کے اس کلام کا جو ان کی کسی مطبوعہ کتاب میں شامل نہیں ہے کافی ذخیرہ جمع ہو گیا بعض احباب نے اس مجموعہ کی اشاعت کے لئے اصرار کیا۔ بعض نے اس وجہ سے اشاعت سے منع فرمایا کہ خود علامہ نے جس کلام کو اپنے کسی کلیات میں شائع نہ کیا تھا اس کو کیوں شائع کیا جائے۔

غرض میں اس کشمکش میں تھا کہ میری ملاقات لندن میں ۱۹۳۸ء میں شفیق محترم سر عبدالقادر مرحوم سے ہوئی۔ جب میں نے اپنے مجموعہ کا ذکر موصوف سے کیا تو انھوں نے نہایت شدت سے اس مجموعہ کی اشاعت پر زور دیا۔ انڈیا آفس لندن میں بیٹھے ہوئے سر عبدالقادر نے بار بار فرمایا کہ علامہ نے کبھی غالبؔ کی طرح اشاعت کے لئے اپنے کلام کا انتخاب نہیں کیا تھا۔ بلکہ جب ان کو اپنے اردو کلام کی اشاعت کا خیال آیا تو علامہ نے اپنے احباب سے کلام جمع کر کے "بانگ درا" کو مرتب کیا تھا۔ اس سلسلہ میں ایک صاحب عبدالغفور صاحب ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ پولیس کے پاس بہت نایاب

ذخیرہ تھا۔ اس ذخیرہ سے علامہ کو "بانگ درا" کی ترتیب میں بڑی مدد ملی۔ مگر اس کے باوجود علامہ مرحوم کو اپنی بہت سی نظموں کا تو خیال بھی نہیں رہا تھا۔ جب سر عبدالقادر ۱۹۴۴ء میں حیدرآباد دکن تشریف لائے تو پھر اصرار کیا کہ میں اپنا مجموعہ جلد ایسی اپیل کے ساتھ شائع کر دوں کہ جن اصحاب کے پاس علامہ کا دوسرا کلام محفوظ ہو وہ آئندہ اشاعت کے لئے ارسال کر دیں۔ پھر جب کبھی صاحب موصوف کی خدمت میں لاہور حاضر ہونے کا موقعہ ملا تو انھوں نے ہمیشہ اس خواہش اشاعت کی بار بار تکرار کی۔ میری خواہش یہ تھی کہ اس مجموعہ پر سر عبدالقادر ہی تقریظ تحریر فرمائیں، مگر میری یہ خواہش پوری نہ ہو سکی۔ ع

اے بسا آرزو کہ خاک شدہ

آج مرحوم کی آخری خواہش کے مطابق یہ مجموعہ عقیدت مندانِ اقبالؒ کی خدمت میں پیش کیا جاتا ہے۔ میرے لئے تو حضرت اقبالؒ کے متعلق کوئی کام تصنیف تالیف یا ترتیب سرمایۂ زندگی ہے۔

عشقِ شور انگیز را ہر جادہ در کوئے تو بُرد
بر تلاشِ خود چہ مے نازد کہ رہ سوئے تو بُرد

میں کسی حد تک مجموعہ کی خامیوں سے واقف ہونے کے باعث اب تک اس کی اشاعت میں پس و پیش کرتا رہا ہوں اور شاید اب بھی پس و پیش کرتا مگر اب جب کہ اقبالؒ کے بے شمار شیدائیوں اور میرے کرم فرماؤں

کے تقاضے حد سے بڑھنے لگے ہیں اور مزید برآں اس سلسلہ میں جب مجھے سر عبدالقادر مرحوم کے زبردست تقاضہ کا خیال آتا ہے تو میں سمجھتا ہوں کہ اب اس مجموعہ کی اشاعت میں مزید تعویق قطعاً مناسب نہیں۔

ہر نظم کے متعلق جو اس مجموعہ میں شامل ہے۔ حتی الوسیع تحقیقات کر لی گئی ہے کہ یہ نظم علامہ مرحوم ہی کی ہے۔ پھر بھی اگر کسی صاحب کی رائے میں کوئی غلطی رہ گئی ہو تو از راہِ کرم راقم الحروف کو مطلع فرمائیں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ اس مجموعہ میں کچھ ایسے اشعار شائع ہو گئے ہیں جو علامہ کے مطبوعہ کلام میں موجود ہوں اور اپنے حافظے کی غلطی سے میں نے اس مجموعہ میں بھی ان کو شامل کر لیا ہو۔ اگر ناظرین کرام نے میری مدد کی تو قوی اُمید ہے کہ یہ تمام خامیاں آئندہ اشاعت میں دور ہو جائیں گی۔ ناظرینِ کرام سے یہ بھی درخواست ہے کہ اگر ان کے پاس علامہ مرحوم کا ایسا کلام ہو جو ابھی تک شائع نہیں ہوا ہے تو اس کو براہِ کرم ارسال فرمادیں۔ تاکہ آئندہ اشاعت کے وقت اس کو بھی باقیاتِ اقبالؔ میں شامل کر لیا جائے۔ میری دلی خواہش ہے کہ اس نو پردازِ اسرارِ ازل کا ہر لفظ جو بقول مولانا سلیمان ندوی گوشوارۂ حقیقت ہے آئندہ نسلوں کے لئے محفوظ کر لیا جائے۔ موجودہ مجموعہ کی ترتیب میں دو باب 'متفرقات' اور 'ظریفانہ'، تو علیحدہ قائم کر دیئے گئے ہیں۔ مگر دوسری نظموں کی ترتیب میں سوائے اس کے کہ یہ کوشش کی گئی ہے کہ نظموں کو تاریخ وار درج کیا جائے۔

کوئی اصول ملحوظ نہیں رکھا گیا ہے۔ جن نظموں کے سال تصنیف کا تعین ممکن تھا۔ اس کا بھی تذکرہ کر دیا گیا ہے۔

الغرض راقم الحروف نے اس مجموعہ کو عقیدت مندانِ اقبالؒ کے لئے دلچسپ بنانے میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہیں رکھا۔ اور اگر تائید ایزدی شامل حال رہی تو یہ کوشش برابر جاری رہے گی۔ السعی منی والاتمام من اللہ

سیّد عبد الواحد
معتمد مجلس اقبالؒ

نمبر ۱۰ کچہری روڈ۔ کراچی

کلام زمانۂ طالب علمی

مندرجہ ذیل رباعیاں اقبالؒ نے کشمیری کانفرنس کے مختلف اجلاس میں پڑھی اور بعد میں کشمیری گزٹ یا کانفرنس کی رپورٹوں میں شائع ہوئیں۔ اکثر احباب کو یہ رباعیاں زبانی بھی یاد ہیں۔ لہٰذا اُن کے کلام اقبالؒ ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔

سو تدابیر کی اے قوم یہ ہے اک تدبیر
چشمِ اغیار میں بھی بڑھتی ہے اس سے توقیر
درِ مطلب ہے اخوت کی صدف میں پنہاں!
مل کے دنیا میں رہو مثلِ حروفِ کشمیر

کہکشاں میں آکے اختر مِل گئے!
اک لڑی میں آکے گوہر مل گئے!
واہ وا کیا محفلِ احباب ہے
ہم وطن غربت میں آکر مل گئے!

موتی عدن سے لعل ہوا ہے یمن سے دور
یا نافۂ غزال ہوا ہے ختن سے دور
ہندوستاں میں آئے ہیں کشمیر چھوڑ کر!
بلبل نے آشیانہ بنایا چمن سے دور

پنجۂ ظلم و جہالت نے بُرا حال کیا
بن کے مقراض ہمیں بے پر و بے بال کیا
توڑ اس دستِ جفاکیش کو یارب جس نے!
روحِ آزادیٔ کشمیر کو پامال کیا

سامنے ایسے گلستاں کے کبھی گر نکلے
جیبِ خجلت سے سرِ طور نہ باہر نکلے

ہے جو ہر لحظہ تجلی گہ مولائے جلیل
عرش و کشمیر کے اعداد برابر نکلے

بت پرستی کو مرے پیش نظر لاتی ہے
یاد ایام گذشتہ مجھے شرماتی ہے
ہے جو پیشانی پہ اسلام کا ٹیکا اقبالؔ
کوئی پنڈت مجھے کہتا ہے تو شرم آتی ہے

ایک یتیم کا خطاب ہلالِ عید سے

علامہ مرحوم نے یہ نظم انجمن حمایت الاسلام لاہور کے سالانہ جلسہ میں پڑھی تھی۔ اس کے بعد بعض اخبارات میں شائع ہوئی۔ مگر میں کوشش کے باوجود اس نظم کے حاصل کرنے میں ناکام رہا۔ یہ مرقومہ ذیل اشعار اور بند تیمناً درج کئے جاتے ہیں تاکہ پوری نظم کے حاصل کرنے کی کوشش کا سلسلہ جاری رہ سکے۔

اک بہانہ ہلالِ عید کا ہے!
قوم کو حالِ دل سُناتے ہیں
کس مزے کی ہے داستاں اپنی!
قوم سُنتی ہے ہم سُناتے ہیں

ہلالِ عید!

اے مہِ عید بے حجاب ہے تو
حسنِ خورشید کا جواب ہے تو

اے گریبانِ جامۂ شبِ عید
شاہدِ عیش کا شباب ہے تو

اے نشانِ رکوعِ سورۂ نور
نقشۂ کلکِ انتخاب ہے تو

اے جوابِ خطِ رکوعِ نیاز
طاعتِ صوم کا ثواب ہے تو

ہائے اے حلقۂ پرِ طاؤس
قابلِ ذالک الکتاب ہے تو

چشمِ طفلی نے جب تجھے دیکھا!
کہہ دیا خواب سے کہ خواب ہے تو

طوفِ منزل گہہِ زمیں کے لئے
ہمہ تن پائے در رکاب ہے تو

یہ اُبھرتے ہی آنکھ سے چھپنا
روشنی کا مگر حباب ہے تو

تو کمندِ غزالِ شادی ہے!
لذّت افزائے شورِ طفلی ہے!

دنیا!

چمن خار خار ہے دنیا
خونِ صد نو بہار ہے دنیا

ہے تمنّا فزا ہوائے دنیا
کیا شکستِ خمار ہے دنیا

جان لیتی ہے جستجو اِس کی
دولتِ زیرِ مار ہے دنیا

ہے نسیم جہاں خزاں پرور
دیکھنے کو بہار ہے دنیا

زندگی نام رکھ دیا کس نے
موت کا انتظار ہے دنیا

خون روتا ہے شوقِ منزل کا
رہزن رہ گذار ہے دنیا

خندہ زن ہے فلک نے دوں پہ جہاں
چرخ کی رازدار ہے دنیا

ہیں جہاں کو غموں کے خار پسند!
اس چمن کو نہیں بہار پسند

مفلسی

ہاتھ اے مفلسی صفا ہے ترا
ہائے کیا تیر بے خطا ہے ترا

تیرہ روزی کا ہے تجھی پہ مدار
بد نصیبی کو آسرا ہے ترا

مایۂ صد شکست قیمتِ دل
دہر میں ایک سامنا ہے ترا

مسکراتا ہے تجھ کو دیکھ کے زخم
یہ کوئی صورت آشنا ہے ترا

موت مانگے سے بھی نہیں آتی
درد کیا زندگی فزا ہے ترا

شورِ آوازِ چاکِ پیراہن
لبِ اظہارِ مدعا ہے ترا

التجا پر خموشی منعم!
ایک فقرہ جلا بھنا ہے ترا

ہے جو دل میں نہاں کہیں کیونکر
ہائے تیرے ستم سہیں کیونکر

شام

مصرِ ہستی میں شام آتی ہے
رنگ اپنا جمائے جاتی ہے

اے سبوئے مئے شفق، اے شام
تو مئے بے خودی پلاتی ہے

سُرمۂ دیدۂ اُفق بن کر!
چشمِ ہستی میں تو سماتی ہے

کس خموشی سے اُڑ رہے ہیں طیور
تو رہِ آشیاں دکھاتی ہے

ریزشِ دانہ ہائے اختر کو
مزرعِ آسماں میں آتی ہے

تو پرِ طیر آشیاں روکو!
چشمِ صیّاد سے چھپاتی ہے

صبح در آستیں ہے تو شاید
آنکھ اختر کی کھلتی جاتی ہے

تو پیامِ وفاتِ بیداری
محفلِ زندگی میں لاتی ہے

اپنے دامن میں بھر غنچۂ گل
خواب لے کر چمن میں آتی ہے

خامشی زا ہے تیرا نظارہ
آہ! یہ حسن انجمن آرا!

فریادِ اُمّت

یہ نظم لاہور کے ایک ناشر نے مندرجہ ذیل شذرہ کے ساتھ شائع کی تھی۔

وہ مقبول نظم جو جناب ڈاکٹر شیخ محمد اقبال صاحب ایم اے نے قریباً ۱۳ سال ہوئے انجمن حمایت اسلام لاہور کے سالانہ جلسے میں (تخیلاً بآستانہ سرور کائنات خلاصۂ موجودات) عاشقانہ فریاد کے رنگ میں (ابرِ گوہربار کے عنوان سے پڑھی تھی۔ ازاں بعد ۱۹۱۳ء میں (باجازت مصنف) "فریادِ اُمّت کے نام سے چھاپ دی گئی۔

دل میں جو کچھ ہے نہ لب پر اُسے لاؤں کیونکر
ہو چھپانے کی نہ جو بات چھپاؤں کیونکر

شوقِ نظارہ یہ کہتا ہے قیامت آئے
پھر میں نالوں سے قیامت نہ اُٹھاؤں کیونکر

میری ہستی نے رکھا مجھ سے تجھے پوشیدہ
پھر تری راہ میں اُسکو نہ مٹاؤں کیونکر

صدمۂ ہجر میں کیا لطف ہے اللہ اللہ
یہ بھی اک ناز ہے تیرا نہ اُٹھاؤں کیونکر

زندگی تجھ سے ہے اے نازِ محبت میری
اشکِ غم سی ترے شعلوں کو بجھاؤں کیونکر

تجھ میں سو نغمے ہیں اے تارِ ربابِ مستی
زخمۂ عشق سے تجھ کو نہ بجاؤں کیونکر

ضبط کی تاب نہ یارائے خموشی مجھ کو! ہائے اِس دردِ محبت کو چھپاؤں کیونکر
بات ہے راز کی پر مُنہ سے نکل جائے گی
یہ مئے کہنہ خُم دل سے اُچھل جائے گی

آسماں مجھ کو بجھا دے جو فروزاں ہوں میں صورت شمع سرِ گورِ غریباں ہوں میں
ہوں وہ بیمار جو ہو فکرِ مداوا مجھ کو درد چپکے سے یہ کہتا ہے کہ درماں ہوں میں
دیکھنا تو مری صورت پہ نہ جانا گل چیں دیکھنے کو صفت تو گل خنداں ہوں میں
موت سمجھا ہوں مگر زندگیٔ فانی کو! نام آجائے جو اس کا تو گریزاں ہوں میں
دور رہتا ہوں کسی بزم سے اور جیتا ہوں یہ بھی جینا ہے کوئی جس سے پشیماں ہوں میں
کنج عزلت سے مجھے عشق نے کھینچا آخر یہ وہی چیز ہے جس چیز پہ نازاں ہوں میں
داغِ دل مہر کی صورت ہی نمایاں لیکن ہے اُسے شوق ابھی اور نمایاں ہوں میں
ضبط کی جا کے سُنا اور کسی کو ناصح اشک بڑھ بڑھ کے یہ کہتا ہے کہ طوفاں ہوں میں
ہوں وہ مضمون کہ مشکل ہے سمجھنا میرا کوئی مائل ہو سمجھنے پہ تو آساں ہوں میں
رند کہتا ہے ولی مجھ کو، ولی رند مجھے سُن کے اِن دونوں کی تقریر کو حیراں ہوں میں
زاہدِ تنگ نظر نے مجھے کافر جانا اور کافر یہ سمجھتا ہے مسلماں ہوں میں
کوئی کہتا ہے کہ اقبالؔ ہے صوفی مشرب کوئی سمجھا ہے کہ شیدائے حسیناں ہوں میں
ہوں عیاں سب پہ مگر پھر بھی ہیں اتنی باتیں کیا غضب آئے لگا ہوں سے جو پنہاں ہوں میں
دیکھ اے چشمِ عدو مجھ کو حقارت سے نہ دیکھ جس پہ خالق کو بھی ہو ناز وہ انساں ہوں میں

مزرعۂ سوختۂ عشق ہے حاصل میرا
درد قرباں ہو جس دل پہ وہ ہے دل میرا

قصۂ دار و رسن بازیٔ طفلانۂ دل
التجائے ارنی سرخیٔ افسانۂ دل

یا رب اس ساغرِ لبریز کی مے کیا ہوگی
جادۂ ملکِ بقا ہے خطِ پیمانۂ دل

ابرِ رحمت تھا کہ تھی عشق کی بجلی یا رب
جل گئی مزرعۂ ہستی تو اُگا دانۂ دل

حسن کا گنج گرانمایہ تجھے مل جاتا
تو نے فرہاد! نہ کھودا کبھی ویرانۂ دل

عرش کا ہے کبھی کعبہ کا ہے دھوکا اس پر
کس کی منزل ہے الٰہی میرا کاشانۂ دل

کچھ اسی کو ہے مزا دہر میں آزادی کا
جو ہوا قیدیٔ زنجیر پری خانۂ دل

اس کو اپنا ہی جنوں اور مجھے سودا اپنا
دل کسی اور کا دیوانہ، میں دیوانۂ دل

تو سمجھتا نہیں اے زاہدِ ناداں اس کو
رشکِ صد سجدہ ہے اک لغزشِ مستانۂ دل

ہائے کیا جانیے اس گھر کا مکیں کیسا ہو
ہوں جو منصور سے دربانِ درِ خانۂ دل

خاک کے ڈھیر کو اکسیر بنا دیتی ہے
وہ اثر رکھتی ہے خاکسترِ پروانۂ دل

عشق کے دام میں پھنس کر یہ رہا ہوتا ہے
برق گرتی ہے تو یہ نخل ہرا ہوتا ہے

آتی ہے اپنی سمجھ اور یہ مائل ہو کر
آنکھ کھل جاتی ہے انساں کی بے دل ہو کر

لوگ سودا کو یہ کہتے ہیں "برا ہوتا ہے"
عقل آئی مجھے پابندِ سلاسل ہو کر

آرزو کا کبھی رونا، کبھی اپنا ماتم!
اس سے پوچھے کوئی کیا دل نے لیا دل ہو کر

میری ہستی ہی جو تھی میری نظر کا پردہ
اُٹھ گیا بزم سے میں پردۂ محفل ہو کر

عین ہستی ہوا ہستی کا فنا ہو جانا
حق دکھایا مجھے اس نقطے نے باطل ہو کر

خلق معقول ہے محسوس ہے خالق اے دل
دیکھ! ناداں ذرا آپ سے غافل ہو کر

طور پر تو نے جو اے دیدۂ موسیٰ دیکھا!
وہی کچھ قیس نے دیکھا پسِ محفل ہو کر

کیا کہوں بیخودیٔ شوق میں لذت کیا ہے
تو نے دیکھا نہیں زاہد کبھی غافل ہو کر

راہِ اُلفت میں رواں ہوں کبھی افتادہ ہوں
موج ہو کر، کبھی خاکِ لبِ ساحل ہو کر

دمِ خنجر میں دمِ ذبح سما جاتا ہوں
جوہرِ آئینۂ خنجرِ قاتل ہو کر

وہ مسافر ہوں ملے جب پتا منزل کا
خود بھی مٹ جاؤں نشانِ رہِ منزل ہو کر

ہے فروغِ دو جہاں داغِ محبت کی ضیا
چاند یہ وہ ہے کہ گھٹتا نہیں کامل ہو کر

دیدۂ شوق کو دیدار نہ ہو کیا معنی
آئے محفل میں جو دیدار کے قابل ہو کر

عشق کا تیر قیامت تھا الٰہی توبہ!
دل تڑپتا ہے مرا طائرِ بسمل ہو کر

مےٴ عرفاں سے مرا کاسۂ دل بھر جائے
میں بھی نکلا ہوں تری راہ میں سائل ہو کر

المدد سیدِ مکی مدنی العربی!
دل و جاں باد فدایت چہ عجب خوش لقبی!

لاکھ ساماں ہے اک بے سر و ساماں ہونا
تجھ کو جمعیتِ خاطر ہے پریشاں ہونا

تیری اُلفت کی اگر ہو نہ حرارت دل میں
آدمی کو بھی میسر نہیں انساں ہونا

یہ شہادت گہِ اُلفت میں قدم رکھنا ہے
لوگ آسان سمجھتے ہیں مسلماں ہونا

دل جو بربادِ محبّت ہوا آباد ہوا! — سازِ تعمیر تھا اس قصر کو ویراں ہونا
علم و حکمت کے مدینے کی کشش ہے مجھکو — لطف دے جاتا ہے کیا کیا مجھے ناداں ہونا
کبھی یثرب میں اویسِ قرنی سے چھپنا — کبھی برقِ نگہِ موسیٰ عمران ہونا
قابِ قوسین بھی دعویٰ بھی عبودیت کا — کبھی چلمن کو اٹھانا، کبھی پنہاں ہونا
لطف دیتا ہے مجھے مٹ کے تری الفت میں — ہمہ تن شوق ہوائے عربستاں ہونا
یہی اسلام ہے میرا، یہی ایمان میرا — تیرے نظارۂ رخسار سے حیراں ہونا

خندۂ صبحِ تمنّائے ابراہیم استی!
چہرہ پردازِ تحیرت کدۂ میم استی!

حشر میں ابرِ شفاعت کا گہر بار آیا — دیکھ لے جنسِ عمل تیرا خریدار آیا
پیرہن عشق کا جب حسنِ ازل نے پہنا — بن کے یثرب میں وہ آپ اپنا خریدار آیا
میں گیا حشر میں جس دم تو یہ صدا آئی — دیکھنا دیکھنا وہ کا فرِ دیندار آیا
لطف آنے کا تو جب ہے کہ کسی پر آئے — ورنہ دل اپنا کبھی آنے کو تو سو بار آیا
جوشِ سودائے محبّت میں گریباں اپنا — میں نے دیکھا تو نہ ہاتھوں میں کوئی تار آیا
عشق کی راہ میں ایک سیر تھی ہر منزل پر — نجد کا دشت کہیں مصر کا بازار آیا
میں نے سو گلشنِ جنّت کو کیا اس پہ نثار — دشتِ یثرب میں اگر زیرِ قدم خار آیا
لیں شفاعت نے قیامت میں بلائیں کیا کیا — عرقِ شرم میں ڈوبا جو گنہگار آیا
وہ مری شرمِ گنہ اور وہ سفارش تیری — ہائے اس پیار پہ کیا کیا نہ مجھے پیار آیا

ہے ترے عشق کا مے خانہ عجب میخانہ
یعنی ہشیار گیا اور میں سرشار آیا

ما عرفنا نے چھپا رکھی ہے عظمت تیری
قاب قوسین سے کھلتی ہے حقیقت تیری

لے چلا بحر محبت کا تلاطم مجھ کو
کشتیٔ نوح ہے ہر موجۂ قلزم مجھ کو

حسن تیرا میری آنکھوں میں سمایا جب سے
تیر لگتی ہے شعاعِ مہ و انجم مجھ کو

تیرے قربان میں اے ساقیٔ میخانۂ عشق
میں نے اک جام کہا تو نے دیئے خم مجھ کو

خاک ہو کر یہ ملا اوج تری الفت میں
کہ "فرشتوں نے لیا بہر تیمم مجھ کو"

گرد آسا سر دامن سے لگا پھرتا ہوں
حشر کے روز بھلا دو نہ کہیں تم مجھ کو

کوئی دیکھے تو ترے عاشق شیدا کا مزاج
حور سے کہتا ہے چھیڑا نہ کرو تم مجھ کو

موت آجائے جو یثرب کے کسی کوچہ میں
میں نہ اٹھوں جو مسیحا بھی کہے قم مجھ کو

صنف نوکِ سر خار شب فرقت میں
چبھ رہی ہے نگہِ دیدۂ انجم مجھ کو

خوف رہتا ہے یہ ہر دم کہ رہِ یثرب میں
طور کی سمت نہ لے جائے تو ہم مجھ کو

تو نے آنکھوں کے اشارے سے جو تسکین کر دی
شور محشر ہوا گلبانگ ترنم مجھ کو!

اپنا مطلب مجھے کہنا ہی مگر تیرے حضور
چھوڑ جائے نہ کہیں تابِ تکلم مجھ کو

ہے ابھی امت مرحوم کا رونا باقی!
دیکھ اے بے خودیٔ شوق نہ کر گم مجھ کو

ہمہ حسرت ہوں سراپا غمِ بربادی ہوں
ستم دہر کا مارا ہوا فریادی ہوں

ے کہ تھا نوح کا طوفاں میں سہارا تیرا
اور براہیم کو آتش میں بھروسا تیرا

ے کہ مشعل تھا ترا ظلمتِ عالم میں وجود
اور نورِ نگۂ عرش تھا سایہ تیرا

ے کہ پرتو ہے ترے ہاتھ کا مہتاب کا نور
چاند بھی چاند بنا پا کے اشارہ تیرا

چہ پوشیدہ رہا حسن ترا پردوں میں
ہے عیاں معنیٔ لولاک سے پایا تیرا

ز تھا حضرتِ موسیٰ کو یدِ بیضا پر
سو تجلی کا نقشِ کفِ پا تیرا

ہم ہستی صفِ دیدۂ اعمیٰ ہوتی
دیدۂ کن میں اگر نور نہ ہوتا تیرا

کیا کہوں اُمتِ مرحوم کی حالت کیا ہے
جس سے برباد ہوئے ہم وہ مصیبت کیا ہے

ے اُمت کا بُرا ہو کہ بھلا کہتے ہیں
صفتِ آئینہ جو کچھ ہے صفا کہتے ہیں

ظموں میں یہ تکبر کہ الہٰی توبہ!
اپنی ہر بات کو آوازِ خدا کہتے ہیں

ے کے ہر کام میں دنیا طلبی کا سودا
ہاں مگر وعظ میں دنیا کو بُرا کہتے ہیں

ربی ہو تو اُسے چاہیے اچھا کہنا!
پر غضب ہے کہ یہ اپنوں کو بُرا کہتے ہیں

بندی کی ہوا تیرے گلستاں میں چلی
یہ وہ ناداں ہیں اسے بادِ صبا کہتے ہیں

یں بات سے ہو فتنۂ محشر برپا
یہ وہ بنیے ہیں اسے فتنہ رُبا کہتے ہیں

کی دینداری میں ہے آرزوئے زرِ پنہاں
آ کے دھوکے میں انھیں راہ نما کہتے ہیں

ر اقوام کو دنیا میں اُجاڑا اس نے
یہ تعصب کو مگر گھر کا دِیا کہتے ہیں

جنگی کو سمجھتے ہیں بنائے ایماں
مرض الموت ہے جو اس کو دوا کہتے ہیں

مقصد خمکہ لمسی یہ کھلی اُن کی زباں
یہ تو اک راہ سے تجھ کو بھی بُرا کہتے ہیں

تیرے بیاروں کا جو یہ حال ہو اے شافع محشر
میرے حبیبوں کو تو کیا جانئے کیا کہتے ہیں

بغض للّٰہ کے پردے میں عداوت ذاتی
دین کی آڑ میں کیا کرتے ہیں کیا کہتے ہیں

جن کا یہ دین ہو کہ اپنوں سے کریں ترک سلام
ایسے بندوں کو یہ بنبے "صلحا" کہتے ہیں

قوم کے عشق میں ہو فکر کفن بھی نہ جسے
یہ اُسے بندۂ بے دام ہوا کہتے ہیں

وصل ہو لیلےٰ مقصود سے کیوں کر اپنا!
اختر سوختۂ قیس ہے اختر اپنا!

امرا جو ہیں وہ سنتے نہیں اپنا کہنا
سامنے تیرے پڑا ہے مجھے کیا کیا کہنا

ہم جو خاموش تھے اب تک تو ادب مانع تھا
ورنہ آتا تھا ہمیں حرفِ تمنّا کہنا

درد مندوں کا کہیں حال چھپا رہتا ہے
اپنی خاموشی بھی تھی ایک طرح کا کہنا

شکوہ منّت کشِ لب ہے کبھی منّت کشِ چشم
میرا کہنا جو ہے رونا تو ہے رونا کہنا

قوم کو قوم بنا سکتے ہیں دولت والے
یہ اگر راہ پر آجائیں تو پھر کیا کہنا

بادۂ عیش میں سرمست رہا کرتے ہیں
یاد فرمان نہ تیرا نہ خدا کا کہنا

ہم نے سو بار کہا، قوم کی حالت ہے بُری
پر یہ لوگ سمجھتے نہیں ہمارا کہنا

دیکھتے ہیں یہ غریبوں کو تو برہم ہو کر
فقر تھا فخر ترا شاہِ دو عالم ہو کر

اس مصیبت میں ہے اک تو ہی سہارا اپنا
تنگ آکر لبِ فریاد ہوا وا اپنا

یسی حالت میں بھی اُمید نہ ٹوٹی اپنی
نام لیوا ہیں ترے تجھ پہ ہے دعویٰ اپنا

رقہ بندی سے کیا راہ نماؤں نے خراب
ہائے اِن مالیوں نے باغ اُجاڑا اپنا

ے سو راہ اخوت کی نکالیں لیکن
نہ تو اپنا ہوا اپنا نہ پرایا اپنا

یکھ اے نوح کی کشتی کو بچانے والے
آیا گردابِ حوادث میں سفینا اپنا

مصیبت میں اگر تو بھی ہماری نہ سُنے
اور ہم کس سے کہیں جا کے فسانہ اپنا

برس ابرِ کرم دیر نہیں ہے اچھی!
کہ نہ ہونے کے برابر ہوا ہونا اپنا

ف یہ ہے کہ جلے قوم کی کھیتی اس سے
ورنہ ہونے کو تو آنسو بھی ہے دریا اپنا

جو ہے ابرِ مصیبت کا دھواں دھار آیا
ڈھونڈتا پھرتا ہے تجھ کو دلِ شیدا اپنا

تو پوشیدہ نہ تھی تجھ سے ہماری حالت
ہم نے گھبرا کے مگر تذکرہ چھیڑا اپنا

رگی تجھ سے ہے اے فخرِ براہیم اپنی!
کر دعا حق سے کہ مشکل ہوا جینا اپنا

یہ بزم ہے لے دے کے ہماری باقی
ہے اِن ہی لوگوں کی ہمت پہ بھروسا اپنا

داستاں درد کی لمبی ہے کہیں کیا تجھ سے!
ہے ضعیفوں کو سہارے کی تمنا تجھ سے!

و جس سے شفا ہو وہ دوا کون سی ہے
یہ چمن جس سے ہرا ہو وہ صبا کون سی ہے

کی تاثیر سے ہو عزتِ دین و دنیا
ہائے اے شافعِ محشر وہ دعا کون سی ہے

کی تاثیر سے یک جاں ہو اُمت ساری
ہاں بتا دے وہ مئے ہوش رُبا کون سی ہے

کے ہر قطرہ میں تاثیر ہو یک رنگی کی
ہاں بتا دے ہمیں وہ طرزِ وفا کون سی ہے

قافلہ جس سے رواں ہو سوئے منزل اپنا
ناقہ وہ کیا ہے، وہ آوازِ درا کون سی ہے

اپنی فریاد میں تاثیر نہیں ہے باقی
جس سے دل قوم کا پگھلے وہ صدا کون سی ہے

سب کو ہے دولت کا بھروسہ ہی زمانے میں مگر
اپنی امید یہاں تیرے سوا کون سی ہے

اپنی کھیتی ہے اُجڑ جانے کو اے ابرِ کرم
تجھ کو جو کھینچ کے لائے وہ ہوا کون سی ہے

ہے نہاں جن کی گدائی میں امیری سب کی
آج دنیا میں وہ بزمِ فقرا کون سی ہے

تیرے قرباں کہ دکھا دی ہی یہ محفل تو نے
میں نے پوچھا جو اخوت کی بنا کون سی ہے

راہ اس محفلِ رنگیں کی دکھا دے سب کو!
اور اس بزم کا دیوانہ بنا دے سب کو!

نالۂ یتیم

۱۸۹۹ء

یہ وہ درد انگیز نظم ہے جو علامہ مرحوم نے انجمن حمایت اسلام لاہور کے پندرھویں سالانہ جلسے میں پڑھی تھی۔

آہ کیا کہیئے کہ اب پہلو میں اپنا دل نہیں ۔ بجھ گئی جب شمع روشن در خور محفل نہیں

اے مصافِ نظم ہستی میں ترے قابل نہیں ۔ نا امیدی جس کو طے کر لے یہ وہ منزل نہیں

ہائے کس منہ سے شریک بزم میخانہ ہوں میں

ٹکڑے ٹکڑے جس کے ہو جائیں وہ پیمانہ ہوں میں

خار حسرت غیرت نوک سناں ہونے لگا ۔ یوسف غم زینت بازار جاں ہونے لگا

میرا دل شرمندۂ ضبطِ فغاں ہونے لگا ۔ نالۂ دل روشناسِ آسماں ہونے لگا

کیوں نہ وہ نغمہ سرائے رشک صد فریاد ہو

جو سرودِ عندلیب گلشن برباد ہو!

پنجۂ وحشت بڑھا چاکِ گریباں کیلئے ۔ اشکِ غم ڈھلنے لگے پابوسِ داماں کیلئے
مضطرب ہے یوں دلِ نالاں بیاباں کیلئے ۔ جس طرح بلبل تڑپتا ہے گلستاں کیلئے

بس گئے ہم ہنگامۂ ہستی میں اب کیا بیٹھ کر
روئیے جا کر کسی صحرا میں تنہا بیٹھ کر

قابلِ عشرت دلِ خوگردۂ حسرت نہیں ۔ درخورِ بزمِ طرب شمعِ سرِ تربت نہیں
زیرِ گردوں شاہدِ آرام کی صورت نہیں ۔ غیرِ حسرت غازۂ رخسارۂ راحت نہیں

صبحِ عشرت بھی ہماری غیرتِ صد شام ہے
ہستیٔ انساں غبارِ خاطرِ آرام ہے

ہے قیامِ بحرِ ہستی جزرو مدِ امید کا ۔ گاہے گاہے آنکلتی ہے مسرت کی ہوا
زندگی کو لوٹ الفت سے ملی جب دم ضیا ۔ لے کے طوفانِ ستم ابرِ تغیر آگیا

ہے کسی کو کامِ دل حاصل کوئی ناکام ہے
اس نظارہ کا مگر خاکِ لحد انجام ہے

اے فلک تجھ سے تمنائے سعادت بیعد ہی ۔ ہر ستارہ ہے ترا داغِ دلِ نیک اختری
تو نے رکھا ہے کسے حرماں نصیبی سے بری ۔ اے مسلماناں فغاں از دورِ چرخِ چنبری

دوستی از کس نمے بینیم یاراں را چہ شد
دوستی کہ آخر آمد دوستداراں را چہ شد

نطق کر سکتا نہیں کیفیتِ غم کو عیاں ۔ اس کی تیزی کو مٹا دینے میں اندازِ بیاں
آ نہیں سکتی زباں تک رنج و غم کی داستاں ۔ خندہ زن میرے لبِ گویا پہ ہے دردِ نہاں

عجزِ گویائی ہے گویا حکمِ قیدِ خامشی
مجرمِ اظہارِ غم کو یہ سزا ملنے لگی

زخمِ دل کے واسطے ملتا نہیں مرہم مجھے ۔ اپنی قسمت کا ہے رونا صورتِ آدم مجھے
ظلِ دامانِ پدر کا ہے زبس ماتم مجھے ۔ ہاں ڈبو دے اے محیطِ دیدۂ پرنم مجھے

مضطرب اے دل نہ ہو تا ذوقِ طفلی کیلئے
تو بنا ہے تلخیِ اشکِ یتیمی کے لئے

سایۂ رحمت ہے تو اے ظلِ دامانِ پدر ۔ غنچۂ طفلی پہ ہے مثلِ صبا تیرا گذر
رہنما ہے وادیِ عالم میں تو مثلِ خضر ۔ تو تو ہے اک مظہرِ شانِ کریمی سر بسر

ہے شہنشاہی جو طفلی تو ہما تاثیر ہے
تو نہ ہو تو زندگی ایک قیدِ بے زنجیر ہے

عینِ طفلی میں ہلال آسا کمر خم کھا گئی ۔ صبحِ پیری کی مگر بن کر یتیمی آ گئی
یادِ ناکامی اسے کیا جانے کیا سمجھا گئی ۔ شعلۂ سوزِ الم کو اور بھی بھڑکا گئی

دم کے بدلے میرے سینے میں دمِ شمشیر ہے
زندگی اپنی کتابِ موت کی تفسیر ہے

جوششِ صرصر سے ہے اپنے بحر جولانی تری ۔ اور قمر کے دم سے ہے ساری یہ طغیانی تری
کوہ و دریا سے ہے قائم شانِ سلطانی تری ۔ اور شعاعِ مہر سے ہے خندہ پیشانی تری

نظمِ عالم میں نہیں موجود سازِ بے کسی
ہو گئی پھر کیوں گرفتارِ ستم صید بازِ بے کسی

کھینچ سکتا ہے مصور خندۂ گل کا سماں ۔ اور یہ مشکل نہیں اے برق تری شوخیاں
صبح کا اختر نہیں کلکِ تصور پر گراں ۔ اور نہ کچھ ہیں مگر یہ تبسم کے نشاں

یہ تبسم اشکِ حسرت کا نمک پروردہ ہے
دردِ پنہاں کو چھپانے کے لیے اک پردہ ہے

یادِ ایامِ سلف تو نے مجھے تڑپا دیا ۔ آہ اے چشمِ تصور تو نے کیا دکھلا دیا
اے فراقِ رفتگاں یہ کیا تو نے دکھلا دیا ۔ دردِ پنہاں کی خلش کو اور بھی چمکا دیا

رہ گیا ہوں دونوں ہاتھوں سے کلیجہ تھام کر
کچھ مداوا اس مرض کا اے دلِ ناکام کر

آمدِ [illegible] نسیمِ گلشنِ رشکِ ارم ۔ ہو نہ مرہونِ سماعت جس کی آوازِ قدم
لذتِ [illegible] شعاعِ آفتابِ صبح دم ۔ یا صدائے نغمۂ مرغِ سحر کا زیر و بم

رنگ کچھ شہرِ خموشاں میں جما سکتی نہیں
خفتگانِ کنجِ مرقد کو جگا سکتی نہیں

ہر گھڑی اے دل نہ یوں اشکوں کا دریا چاہیے ۔ داستاں جیسی ہو ویسا سننے والا چاہیے
ہر کسی کے پاس یہ دکھڑا نہ رونا چاہیے ۔ آستاں اس کو شہنشاہِ ہاشمی کا چاہیے

چشمِ باطن کی نظر بھی کیا سبک رفتار ہے
سامنے اک دم میں درگاہِ شہِ ابرار ہے

اے مددگارِ غریباں اے پناہِ بے کساں ۔ اے نصیرِ عاجزاں اے مایۂ بے مائگاں
کارواں صبر و تحمل کا ہوا دل سے رواں ۔ کہنے آیا ہوں میں اپنے درد و غم کی داستاں

ہے تری ذاتِ مبارک حلِ مشکل کے لیے
نام ہے تیرا شفا دکھتے ہوئے دل کے لیے

بے کسوں میں تابِ جورِ آسماں ہوتی نہیں ۔ ان دلوں میں طاقتِ ضبطِ فغاں ہوتی نہیں
کون وہ آفت ہے جو رہینِ بیاں ہوتی نہیں ۔ اک یہی ہے کہ ممنونِ زباں ہوتی نہیں

میری صورت ہی کہانی ہے دلِ ناشاد کی
ہے خموشی بھی مری سائل تری امداد کی

بزمِ عالم میں طرازِ مسندِ عظمت ہے تو ۔ بہرِ انساں جبرئیل آیۂ رحمت ہے تو
اے دیارِ علم و حکمت خیرِ امت ہے تو ۔ اے ضیائے چشمِ ایماں زیبِ ہر مدحت ہے تو

درد جو انساں کا تھا وہ تیرے پہلو سے اٹھا
قلزمِ جوشِ محبت تیرے آنسو سے اٹھا

آبِ کوثر تشنہ کاماں محبت کا ہے تو۔ جس کے ہر قطرے میں سو موتی ہوں وہ دریا ہے تو

طورِ پر چشمِ کلیم اللہ کا تارا ہے تو۔ معنیِ یاسین ہے تو، مفہوم او ادنیٰ ہے تو

اس نے پہچانا نہ تیری ذاتِ پرانوار کو

جو نہ سمجھا احمدِ بے میم کے اسرار کو

دل ربائی میں مثالِ خندۂ مادر ہے تو۔ مثلِ آوازِ پدر شیریں تر از کوثر ہے تو

جس سے تاجِ عرش کو زینت ہو وہ گوہر ہے تو۔ از پئے تقدیرِ عالم صورتِ اختر ہے تو

زیبِ حسنِ محفلِ اشرافِ عالم تو ہوا

تھی موخر گرچہ آمد پر مقدم تو ہوا

تیرا زینہ جوہرِ آئینۂ لولاک ہے۔ فیض سے تیرے رگِ تاکِ یقیں نمناک ہے

تیرے سایہ سے منور دیدۂ افلاک ہے۔ کیمیا کہتے ہیں جس کو تیرے در کی خاک ہے

تیرے نظارے کا موسیٰ میں کہاں مقدور ہے

تو ظہورِ لن ترانی گوئے اوجِ طور ہے

دھوپ کی آگ میں دمکت دردِ دہقاں پر ہے۔ پسینے سے نمایاں مہرِ تاباں کا اثر

جھلکیاں امید کی آتی ہیں چہرے پر نظر۔ کاٹ لیتا ہے مگر جس وقت محنت کا ثمر

یا محمد کہہ کے اٹھتا ہے وہ اپنے کام سے

ہائے کیا تسکین سے ملتی ہے تیرے نام سے

وہ پناہ دینِ حق وہ دامن غارِ حرا۔ جو تیرے فیض قدم سے غیرت سینا ہوا
وہ حصارِ عافیت وہ سلسلہ فاران کا۔ جس کے ہر ذرے سے اٹھی دین کامل کی صدا

فخر پابوسی سے تیری آسماں سا ہو گئی
یہ زمیں ہم پایۂ عرش معلیٰ ہو گئی

نظم قدرت میں نشاں پیدا نہیں بیداد کا۔ شکوہ کرنا کام ہوتا ہے دل ناشاد کا
آگرا ہوں تیرے در پر وقت ہے امداد کا۔ سر فرازی چاہیئے بدلہ مری افتاد کا

آ نہ سکتا تھا زباں تک بے کسی کا ماجرا
حوصلہ لیکن مجھے تیری یتیمی نے دیا

نغمۂ ذرا لبِ تابِ دل کیا صدا آتی ہے یہ۔ لطفِ آب چشمۂ حیواں کو شرماتی ہے یہ
دل کو سوزِ عشق کی آتش سے گرماتی ہے یہ۔ روح کو یادِ الٰہی کی طرح بھاتی ہے یہ

ہاں ادب اے دل بڑھا اعزاز منت خاک کا
میں مخاطب ہوں جناب سید لولاک کا

اے گرفتارِ یتیمی اے اسیرِ قید غم۔ تجھ سے آرام جانِ سید خیر الامم
نا امیدی نے سکھے ہیں تجھ پہ کچھ ایسے ستم۔ چیرتا ہے دل کو تیرا نالۂ درد و الم

تیری بے سامانیوں سے کیوں نہ میرا دل جلے
شرم سی آتی ہے تجھ کو بے نوا کہتے ہوئے

خرمن جاں کے لئے بجلی ترا افسانہ ہے - دل نہیں پہلو میں تیرے غم کا عشرت خانہ ہے
جب یہ بربادی ہو صدقے وہ ترا ویرانہ ہو - سہم جائے جس سے فرحت وہ ترا کاشانہ ہو

کانپتا ہے آسماں تیرے دل ناشاد سے
ہل گیا عرشِ معظم بھی تری فریاد سے

خون رلواتا ہے تیرا دیدۂ گریاں مجھے - کیوں نظر آتا ہے تو رہنِ غمِ پنہاں مجھے
کیوں نظر آتا ہے تیرا حال بے ساماں مجھے - کیوں نظر آتا ہے تو مثلِ تنِ بے جاں مجھے

میری امت کیا شریکِ دردِ پیغمبر نہیں
کیا جہاں میں عاشقانِ شافعِ محشر نہیں

جس طرح مجھ سے نبوت میں کوئی بڑھکر نہیں - میری امت سے حمیت میں کوئی بڑھکر نہیں
امتحانِ صدق و ہمت میں کوئی بڑھکر نہیں - اِن مسلمانوں سے غیرت میں کوئی بڑھکر نہیں

یہ دل و جاں سے خدا کے نام پر قرباں ہیں
ہوں فرشتے بھی فدا جن پر یہ وہ انساں ہیں

جا کہ یوں کہنا کہ "اے گلہائے باغِ مصطفےٰ! تم سے برگشتہ نہ ہو جائے زمانے کی ہوا
عرصۂ ہستی میں از بہر حصولِ مدعا - بے شک صدا اکسیر ہوتی ہے یتیموں کی دعا

یہ وہ جادو ہے کہ جس سے دیو حرماں دور ہو
یہ وہ نسخہ ہے کہ جس سے دردِ عصیاں دور ہو

یہ دعا میدانِ محشر میں بڑی کام آئیگی۔ شاہدِ شانِ کریمی سے گلے ملوائے گی
آتشِ عشقِ الٰہی سے تمہیں گرمائے گی۔ جو نہ موسیٰ نے بھی دیکھا تھا تمہیں دکھلائے گی

جس طرح مجھ کو شہیدِ کربلا سے پیار ہے
حق تعالیٰ کو یتیموں کی دعا سے پیار ہے

جوش میں اپنی رگ ہمت کو لانا چاہیئے۔ احمدی غیرت زمانے کو دکھانا چاہیئے
بندِ فقر و غم سے یتیموں کو چھڑانا چاہیئے۔ دل کے اک دریا سخاوت کا بہانا چاہیئے

کام بے دولت نہ چرخ کہن چلتا نہیں
نخلِ مقصد غیر آبِ زر کہیں پھلتا نہیں

عیدِ شاہین یتیمی کا بپھرنا اور ہے۔ لوگ جس کی دل میں جھنی ہو وہ کانٹا اور ہے
علتِ حرماں نصیبی کا مداوا اور ہے۔ دردِ آزارِ مصیبت کا مسیحا اور ہے

پھونک دیتا ہے جگر کو دل کو تڑپاتا ہے یہ
نسخۂ مہر و محبت سے مگر جاتا ہے یہ

تھی یتیمی کچھ ازل سے آشنا اسلام کی۔ پہلے رکھی ہے یتیموں نے بنا اسلام کی
کہہ رہی ہے اہلِ دل سے ابتدا اسلام کی۔ ہے یتیموں پر عنایت انتہا اسلام کی

تم اگر سمجھو تو یہ سو بات کی اک بات ہے
آبرو میری یتیمی کی تمہارے ہات ہے

شکریۂ انگشتری

یہ نظم میں نے منشی سراج الدین صاحب کی بیاض سے لی ہے۔ نظم کے ساتھ حضرت علامہ کا گرامی نامہ بھی ہے اور نظم اور گرامی نامہ دونوں خود علامہ کے قلم سے لکھے ہوئے ہیں ذیل میں نظم اور خط بجنسہٖ درج کئے جاتے ہیں۔

ڈیر سراج!

دو تین روز سے طبیعت بسبب دورہ درد کے علیل ہے۔ یہ چند شعر قلم برداشتہ آپ کے شکریہ میں عرض کرتا ہوں۔ میرا ارمغاں یہی ہے کہ اسی کو قبول کر کے مجھے مشکور کیجئے۔ چاہیں تو پیشانی پر چند ادو سطور لکھ کر مخزن میں بھیج دیجئے۔ والسلام۔

آپ کا اقبال از لاہور

۱۹۰۲ء

آپ نے مجھ کو جو بھیجی ارمغاں انگشتری ۔ دے رہی ہے مہر و الفت کا نشاں انگشتری
زینت دستِ حنا مالیدہ جاناں ہوئی ۔ ہے مثالِ عاشقاں آتش بجاں انگشتری

تو سراپا آیتے از سورۂ قرآن فیض ۖ ۔ وقت مطلق اے سراجِ مہرباں انگشتری
میرے ہاتھوں سے اسے پہنے اگر وہ دل ربا ۔ ہو زمو زبے دلی کی ترجماں انگشتری
ہو نہ برق افگن کہیں لے طائرِ رنگِ حنا ۔ تاکتی رہتی ہے تیرا آشیاں انگشتری
ساغر مے میں پڑا انگشتِ ساقی کا جو عکس ۔ بن گئی گردابۂ آبِ رواں انگشتری
ہوں بہ تبدیلِ قوافی فارسی میں نغمہ خواں ۔ ہند سے جاتی ہے سوئے اصفہاں انگشتری
یارم از کشمر فرستادست چار انگشتری ۔ چار در صورت بمعنی صد ہزار انگشتری
چار را گر صد ہزار آوردہ ام انیک دلیل ۔ شد قبولِ دستِ یارم ہر چہار انگشتری
داغ داغ از موجِ مینا کارئش جوش بہار ۔ می دہد چوں غنچۂ گل بوئے یار انگشتری
در لباسِ نور آمد و چشم تماشا شد تمام ۔ بود در کشمیر چشمِ انتظار انگشتری
یار را ساغر بکف انگشتری در دست باد ۔ حلقہ اش خمیازۂ دستِ خمار انگشتری
ما اسیر حلقہ اش او خود اسیر دستِ دوست ۔ الحمد للہ دام و صیاد و شکار انگشتری
خاتمِ دستِ سلیماں حلقہ در گوشِ ویست ۔ اے عجب انگشتری را جاں نثار انگشتری
واہ چہ بکشاید بدستِ آں نگارِ سیم تن ۔ مانند گر زیں پیشتر سربستہ کار انگشتری
من دلِ گم گشتۂ خود را کجا جویم سراغ ۔ دزدی دزدِ حنا را پردہ دار انگشتری
راز دار دزد ہم در دستِ دزدِ بابِ حسن ۔ چشمکِ دزدِ حنا را راز دار انگشتری
ہر دو باہم ساختند و نقدِ دل ہا می برند ۔ پختہ مغز انگشتِ جاناں پختہ کار انگشتری

ۖ ۔ لاہور کا دوسرا نام جس کو امیر خسروؒ قران السعدین میں استعمال فرماتے ہیں۔
اقبال

نوبهار دلفریب انگشتری در دست یار - بوسه بر دستش زند لیل و نهار انگشتری

بوالهوس ز انگشتری طرز اطاعت یاد گیر - می نهد سر بر خط فرمان یار انگشتری

ماه نو قالب تهی کردست از حسرت بچرخ - جلوه فرما شد در انگشت یار انگشتری

ارمغانم سلک گوهرهاست یعنی این غزل - کز سراجم نورها آمد چهار انگشتری

گشت اے اقبال مقبول امیر ملک حسن!

کمرد و مار اگره آخر نکار انگشتری

غزل

سنہ ۱۹۰۲ عیسوی

دل کی بستی عجیب بستی ہے
لوٹنے والے کو ترستی ہے

ہو قناعت جو زندگی کا اصول
تنگدستی فراخ دستی ہے

جنس دل ہے جہاں میں کمیاب
پھر بھی یہ شے غضب کی سستی ہے

تاب اظہار عشق نے لے لی
گفتگو کو زباں ترستی ہے

ذکر جام طہور وعظ کا وعظ
مے پرستی کی مے پرستی ہے

شعر بھی اک شراب ہے اے دل
ہوشیاری اسی کی مستی ہے

ہم فنا ہو کے بھی فنا نہ ہوئے
نیستی اک طرح کی ہستی ہے

آنکھ کو کیا نظر نہیں آتا
ابر کی طرح مے برستی ہے

دیکھئے کیا سلوک ہو اقبال
مجرم جرم بت پرستی ہے

(منقول از مخزن)

ہمارے ایک عنایت فرمائیں بارہ مولا علاقہ کشمیر خواجہ صمد جو صاحب کلکٹر ہیں انہیں چند ماہ ہوئے اپنے چہیتے اور ہونہار بیٹے کی مرگِ ناگہاں کا داغ دیکھنا نصیب ہوا۔ خواجہ صاحب فی علم اور علم دوست رئیس ہیں اور خود زبان فارسی میں طباع شاعر ہیں۔ اور مقبل تخلص کرتے ہیں۔ مگر اس سانحہ نے ان کی طباعی اور زندہ دلی پر پانی پھیر دیا ہے اور انہیں تصویرِ غم بنا دیا ہے۔ شیخ محمد اقبال صاحب نے ان کی طرف سے مرحوم کا نوحہ لکھا ہے جو درج ذیل ہے:۔

مخزن ۱۹۰۲ء

اندھیرا صمد کا مکاں ہو گیا — وہ خورشید روشن نہاں ہو گیا
بیاباں ہماری سرا بن گئی — مسافر وطن کو رواں ہو گیا
گیا اُڑ کے وہ بلبلِ خوش نوا — چمن پائمالِ خزاں ہو گیا
نہیں باغِ کشمیر میں وہ بہار — نظر سے جو وہ گل نہاں ہو گیا
گیا کارواں اور میں راہ میں — غبارِ رہِ کارواں ہو گیا

ـرا اکڑ کے آنکھوں سے لختِ جگر — مرے صبر کا امتحاں ہو گیا

بڑھا اور اک دشمنِ جانستاں — دھواں آہ کا آسماں ہو گیا

ستم اس غضب کا خزاں نے کیا — بیاباں مرا بوستاں ہو گیا

ہوئی غم کی عادت کچھ ایسی مجھے — کہ غم مجھ کو آرامِ جاں ہو گیا

ـسی نوجواں کی جدائی میں قد — جوانی میں مثلِ کماں ہو گیا

جدائی میں نالاں ہوں بلبل نہ کیوں — وہ گل زیبِ باغِ جناں ہو گیا

وہ سرخی ہے اشکِ شفق رنگ میں — حریفِ مئے ارغواں ہو گیا

بنایا تھا ڈر ڈر کر جو آشیاں — وہی نذرِ برقِ تپاں ہو گیا

ـردِ دل ضبط اے ہم نشیں کس طرح — کہ ہر اشک طوفاں نشاں ہو گیا

غضب ہے غلام حسن کا فراق — کہ جینا بھی مجھ کو گراں ہو گیا

دیا چین کے دہ غم فلک نے اسے
کہ مقبل سراپا فغاں ہو گیا

"خطِ منظوم"

سنہ ۱۹۰۲ء

پیغامِ بیعت کے جواب میں

اس نظم کا کچھ حصہ "عقل و دل" کے نام سے "بانگِ درا" میں درج ہے
پوری نظم اربابِ ذوق کی دلچسپی کے لئے درج ذیل کی جاتی ہے۔

خضر سے چھپ کے مر رہا ہوں میں — تشنہ کامِ مے فنا ہوں میں

ہم کلامی ہے غیرت کی دلیل — خامشی پر مٹا ہوا ہوں میں

کانپ اٹھتا ہوں ذکرِ مرہم پر — وہ دلِ درد آشنا ہوں میں

تنکے چن چن کے باغِ الفت سے — آشیانہ بنا رہا ہوں میں

گلِ پژمردہ چمن ہوں میں — رونقِ خانۂ صبا ہوں میں

کارواں سے نکل گیا آگے — شُل آوازۂ درا ہوں میں

دستِ واعظ سے آج بن کے نماز — کس ادا سے قضا ہوا ہوں میں

مجھ سے بیزار ہے دلِ زاہد — دیدۂ حور کی حیا ہوں میں

ہے زباں مائلِ ترانۂ شوق
سُننے والے کو دیکھتا ہوں میں

میں نے مانا کہ بے عمل ہوں مگر
رمزِ وحدت سے آشنا ہوں میں

پردۂ جسم میں رہے کوئی
اس بھلاوے کو جانتا ہوں میں

سب کسی کا کرم ہے یہ ورنہ
کیا مرا شوق اور کیا ہوں میں

میں کسی کو بُرا کہوں توبہ!
ساری دنیا سے خود بُرا ہوں میں

جام ٹوٹا ہوا ہوں میں لیکن
مئے حق سے بھرا ہوا ہوں میں

ایک دانے پہ ہے نظر تیری!
اور خرمن کو دیکھتا ہوں میں

تو جدائی پہ جان دیتا ہے
وصل کی راہ سوچتا ہوں میں

بھائیوں میں بگاڑ ہو جس سے
اس عبادت کو کیا سراہوں میں

بت پرستی تو ایک مذہب ہے
کفرِ غفلت کو جانتا ہوں میں

مرگِ اغیار پر خوشی ہے تجھے
اور آنسو بہا رہا ہوں میں

میرے رونے پہ ہنس رہا ہے تو
تیرے ہنسنے کو رو رہا ہوں میں

عقل نے ایک دن یہ دل سے کہا
بھولے بھٹکوں کی رہنما ہوں میں

ہوں زمیں پہ، گذر فلک پہ مرا
دیکھ تو کس قدر رسا ہوں میں

علم پلتا ہے میری گودی میں
رازِ ہستی سے آشنا ہوں میں

رہبری دہر میں ہے کام مرا
رشکِ خضرِ خجستہ پا ہوں میں

ہوں مفسر کتابِ ہستی کی — مظہرِ شانِ کبریا ہوں میں

نوری ہمسری کرے توبہ! — دیدۂ کور کی ضیا ہوں میں

بوند اک خون کی ہے تو لیکن — غیرتِ لعلِ بے بہا ہوں میں

دل نے سن کر کہا کہ سب سچ ہے — پر مجھے بھی تو دیکھ کیا ہوں میں

رازِ ہستی کو تو سمجھتی ہے — اور آنکھوں سے دیکھتا ہوں میں

میرے دم سے جہاں بستا ہے — اس اندھیرے میں چاندنا ہوں میں

ہے تجھے واسطہ مظاہر سے — اور باطن کو دیکھتا ہوں میں

علم تجھ سے تو معرفت مجھ سے — تو خدا جو، خدا نما ہوں میں

علم کی انتہا ہے بے چینی — اس مرض کی مگر دوا ہوں میں

شمع تو محفلِ صداقت کی — حسن کی بزم کا دیا ہوں میں

کس بلندی پہ ہے مقام مرا — عرشِ ربِّ جلیل کا ہوں میں

گلشنِ طور ہیں بہار مری — قطرۂ بحر آشنا ہوں میں

تو ہے وابستۂ زمان و مکاں — اور اس قید سے رہا ہوں میں

ہائے یہ دل ہو میرے پہلو میں — تو یہ سمجھے کہ دریا ہوں میں

اہلِ دل کو بگاڑ سے مطلب — سب بزرگوں کی خاک پا ہوں میں

فیضِ اقبالؒ ہے اسی در کا
بندۂ شاہِ لافتا ہوں میں

آفتاب

سنہ ۱۹۰۲ عیسوی
نسل ذرہ تمہیدی

یہ نظم بانگ درا میں موجود ہے۔ لیکن اقبال کے شذرہ کے ساتھ اس نظم کو پڑھنے سے لطف اور دوبالا ہو جاتا ہے۔ یہ نظم مع شذرہ تمہیدی "مخزن" میں شائع ہوئی تھی۔

" ذیل کے اشعار رگ وید کی ایک نہایت قدیم اور مشہور دعا کا ترجمہ ہیں۔ جس کو گائتری کہتے ہیں۔ یہ دعا اعتراف عبودیت کی صورت میں گویا ان تاثرات کا اظہار ہے جنہوں نے نظام عالم کے حیرت ناک مظاہر کے مشاہدہ سے اول اول انسان ضعیف البنیان کے دل میں ہجوم کیا ہوگا۔ اس قسم کی قدیم تحریروں کا مطالعہ علم ملل و نحل کے عالموں کے لیے انتہا درجہ کا ضروری ہے کیونکہ ان سے انسان کے روحانی نمو کی ابتدائی مراحل کا پتہ چلتا ہے۔ یہی وہ دعا ہے جو چاروں ویدوں میں مشترک طور پر پائی جاتی ہے اور

جس کو برہمن اس قدر مقدس سمجھتا ہے کہ بے طہارت اور کسی کے سامنے اس کو پڑھنا تک نہیں۔ جو لوگ محققین السنہ مشرقیہ کی تصانیف سے واقف ہیں۔ ان کو معلوم ہے کہ سر ولیم جونس مرحوم کو اس دعا کے معلوم کرنے میں کس قدر تکلیف اور محنت برداشت کرنی پڑی تھی۔ مغربی زبانوں میں اس کے بہت سے ترجمے کیے گئے ہیں۔ لیکن حق یہ ہے کہ زبان سنسکرت کی نحوی پیچیدگیوں کی وجہ سے السنہ حال میں وضاحت کے ساتھ اس کا مفہوم ادا کرنا نہایت مشکل ہے۔ اس مقام پر یہ ظاہر کر دینا بھی ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اصل سنسکرت میں لفظ "سوتر" استعمال کیا گیا ہے جس کے لیے اردو لفظ نہ مل سکنے کے باعث ہم نے لفظ آفتاب رکھا ہے لیکن اصل میں اس لفظ سے مراد اس آفتاب کی ہے جو فوق المحسوسات ہے۔ اور جس سے یہ مادی آفتاب کسب ضیا کرتا ہے اکثر قدیم قوموں نے اور نیز صوفیا نے اللہ تعالیٰ کی ہستی کو نور سے تعبیر کیا ہے۔ قرآن شریف میں آیا ہے۔ "اللہ نور السمٰوٰت والارض" اور شیخ محی الدین ابن عربی فرماتے ہیں۔

"اللہ تعالیٰ ایک نور ہے جس سے تمام چیزیں نظر آتی ہیں۔ لیکن وہ خود نظر نہیں آتا۔"

علیٰ ہذا القیاس افلاطون الٰہی کے مصری پیروؤں اور ایران کے قدیم

انبیاء کا بھی یہی مذہب تھا۔ ترجمہ کی مشکلات سے ہر شخص واقف ہے لیکن اس خاص صورت میں دقت اور بھی بڑھ گئی ہے کیونکہ اصل الفاظ کی آواز موسیقیت اور وہ طمانیت آمیز اثر جو ان کے پڑھنے سے دل پر ہوتا ہے اردو زبان میں منتقل نہیں ہو سکتا۔ "گایتری" کے مصنف نے ملک الشعراء ٹنی سن کی طرح اپنے اشعار میں ایسے الفاظ استعمال کئے ہیں جن میں حروف علت اور صحیح کی قدرتی ترتیب سے ایک ایسی لطیف موسیقیت پیدا ہو جاتی ہے جس کا غیر زبان میں منتقل کرنا ناممکنات میں سے ہے۔ اس مجبوری کی وجہ سے میں نے اپنے ترجمہ کی بنیاد اس سوکت (گفتار زیبا) پر رکھی ہے جس کو سوریا نارائن اُپنیشد میں گایتری مذکور کی شرح کے طور پر لکھا گیا ہے۔ ترجمہ کرنے کو تو میں نے کر دیا ہے مگر مجھے اندیشہ ہے کہ سنسکرت داں اصحاب اس پر وہی رائے قائم کریں گے جو جیب مین نے پوپ کا ترجمۂ ہومر پڑھ کر قائم کی تھی۔ یعنی شعر تو خاصے ہیں لیکن یہ "گایتری" نہیں ہے۔

محمد اقبال

اے آفتاب روح رواں جہاں ہے تو۔ شیرازہ بند دفتر کون و مکاں ہے تو
باعث ہے تو وجود و عدم کی نمود کا۔ ہے سبز تیرے دم سے چمن ہست و بود کا

قائم یہ منفردوں کا تماشا تجھی سے ہے۔ ہر شے میں زندگی کا تقاضا تجھی سے ہے
ہر شے کو تیری جلوہ گری سے ثبات ہے۔ تیری نگاہ رشتۂ تار حیات ہے
وہ آفتاب جس سے زمانے میں نور ہے۔ دل ہے خرد ہے روح وروان ہے شعور ہے
اے آفتاب ہم کو ضیائے شعور دے۔ چشم خرد کو اپنی تجلّی سے نور دے
ہے محفل وجود کا ساماں طراز تو۔ یزدانِ ساکنانِ نشیب و فراز تو
تیرا کمال ہستی ہر جاندار ہیں۔ تیری نمود سلسلۂ کوہسار ہیں
ہر چیز کی حیات کا پروردگار تو۔ زائیدگانِ نور کا ہے تاجدار تو
نے ابتدا کوئی، نہ انتہا تری۔ آزادِ قیدِ اوّل و آخر ضیا تری

سہ یزداں کو قدیم حکمائے ایران اصل نور تصور کرتے ہیں۔ اس واسطے خالق کی جگہ یہ لفظ استعمال کیا گیا۔

سے یعنی دیوتا سنسکرت میں لفظ دیوتا کے معنی زائیدہ نور کے ہیں یعنی ایسی ہستی جس کی پیدائش نور سے ہوئی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قدیم ہندو دیوتاؤں کو دیگر مخلوقات کی طرح مخلوق تصور کرتے تھے ازلی نہیں سمجھتے تھے۔ غالباً ان کا مفہوم وہی ہوگا۔ جس کو ہم لفظ فرشتہ سے تعبیر کرتے ہیں۔ کیونکہ فرشتوں کا وجود بھی نوری تسلیم کیا گیا ہے اگرچہ ان کو مخلوق مانا گیا ہے۔ پس ہندو مذہب کو شرک کا مجرم گرداننا صحیح معلوم نہیں ہوتا (اقبال)

غزل

(سنہ ۱۹۰۳ عیسوی)

چند روز ہوئے سیالکوٹ میں ایک تقریب تھی یعنی وہاں کے رئیس اعظم آغا محمد باقر خاں صاحب قزلباش کے فرزند ارجمند محمد ناصر کے ختنہ کے غسل صحت کی شادی منائی گئی تھی۔ وہاں شیخ محمد اقبال صاحب بھی مدعو تھے۔ کسی نے ایک مصرعہ طرح دیا۔ جس پر یہ غزل ہوئی۔ اور اس غزل کو انہوں نے اپنے دوست کے بیٹے کی تقریب سعید کا سہرا قرار دیا۔ چنانچہ اس کی طرف مقطع میں اشارہ ہے

"مخزن"

لڑکپن کے ہیں دن صورت کسی کی بھولی بھولی ہے
زباں میٹھی ہے لب ہنستے ہیں پیاری پیاری بولی ہے

ترا اے سیل دریائے محبت منہ تکوں کب تک
مری کشتی جو تھی آپ اپنے ہاتھوں سے ڈبو لی ہے

کوئی شوخی تو دیکھے، جب ذرا رونا تھا میرا
کیا بے درد نے "کیوں آپ نے مالا پرولی ہے"

جفا جو کہہ دیا میں نے، مگر تم نے برا مانا
خفا کیوں ہو گئے یہ عاشقوں کی بولی ٹھولی ہے

شبِ فرقت تصور تھا مرا اعجاز تھا کیا تھا
تری تصویر کو میں نے بلایا ہے تو بولی ہے

وہ میری جستجو میں پھر رہے ہیں خیر ہو یارب
پتا میرا بتانے کو قیامت ساتھ ہو لی ہے

تماشائی کوئی آئینہ ہستی میں ہے اپنا
مزا ہے حسن نے اے دل کتابِ عشق کھولی ہے

سمجھ سکتا نہ تھا کوئی، مجھے اس بزم ہستی میں
گرہ تھی زندگی میری اجل نے آ کے کھولی ہے

جگت الیشر ہے تو ہر آتما کو پریت ہے تیری
صنم خانے کی یارب کیسی پیاری پیاری بولی ہے

ہمیں یادِ وطن کیا بیش آتا ہے خدا جانے
بھلا تو کس لئے غربت زدوں کے ساتھ ہو لی ہے

تغیرِ روز کا کچھ دید کے قابل نہ تھا نرگس
بتا پھر کس نظارے کو تو نے آنکھ کھولی ہے

تبسم، چاکِ جیبِ گل، ترنم، نالہ، بلبل
یہ بے مہروں کی باتیں ہیں یہ بے دردوں کی بولی ہے

مہ و خورشید و انجم دوڑتے ہیں ساتھ اس کے
فلک کیا ہے کسی معشوق بے پروا کی ڈولی ہے

یہ ہو گی شوخ اے صیاد مدت کی اسیری سے
نیا قیدی ہوا ہیں آواز میری بھولی بھولی ہے

لہو کی بوندیاں لالے کی کلیاں بن کے پھوٹی ہیں
مگر زیرِ زمیں کھیلی ترے کشتوں نے ہولی ہے

دیارِ عشق میں واماندگیِ رفتار ہے اے دل
جسے کہتے ہیں خاموشی وہ اس بستی کی بولی ہے

گماں تجھ پر ہوا تھا کیا دلِ بلبل کی چوری کا!
صبا نے غنچۂ گل کیوں گرہ تیری ٹٹولی ہے

گلِ مضموں سے اے اقبال یہ سہرا ہے ناصر کا
غزل میری نہیں ہے یہ کسی گلچیں کی جھولی ہے

عرض بہ جناب حضرت نظام الدین اولیاءؒ

یہ نظم علامہ مرحوم نے اس وقت لکھی تھی جب ان کے برادر محترم شیخ عطا محمد صاحب بدقسمتی سے ایک مصیبت میں مبتلا ہو گئے تھے۔ علامہ نے یہ نظم لکھ کر کسی دوست کے ہمراہ دہلی درگاہ حضرت نظام الدین اولیاءؒ میں بھجوائی تھی۔ فضل ایزدی سے جلد شیخ صاحب مرحوم کو مصیبت سے رہائی ہوئی۔

کیوں نہ ہوں ارماں مرے دل میں کلیم اللہؑ کے
طور زیرِ آغوش ہیں ذرے تری درگاہ کے

میں تری درگاہ کی جانب جو نکلا، لے اڑا
آسماں تارے بنا کر میری گردِ راہ کے

ہے زیارت کی تمنا، المدد اے سوزِ عشق
پھول لادے مجھ کو گلزارِ خلیل اللہؑ کے

شانِ محبوبی ہوئی ہے، پردہ دارِ شانِ عشق
واہ کیا رتبے ہیں اس سرکارِ عالی جاہ کے

تم جو تیرے آستانے کی تمنا میں ہوئی
اشک موتی بن گئے چشمِ تماشا خواہ کے

رنگ اس در کے ہر ذرّے میں ہے توحید کا
طائرانِ بام بھی طائر ہیں بسم اللہ کے

چھپ کے ہے بیٹھا ہوا اثباتِ نفیِ غیر میں
لا کے دریا میں نہاں موتی ہیں الّا اللہ کے

سنگ اسود تھا مگر سنگِ فسانِ تیغِ عشق
زخم میرے کیا ہیں دروازے ہیں بیت اللہ کے

عشق اس کو بھی تری درگاہ کی رفعت سے ہے
آہ یہ انجم نہیں آنسو ہیں چشمِ ماہ کے

تیرے ناخن نے جو کھولی میم احمد کی گرہ
کھل گئے عقدے جہاں میں ہر خدا آگاہ کے

میرے جیسے بے نواؤں کا بھلا مذکور کیا
قیصر و فغفور ہیں درباں تری درگاہ کے

محو اظہار تمنائے دل ناکام ہوں!!
لاج رکھ لینا کہ میں اقبال کا ہم نام ہوں

سہمی پھرتی ہے شفا میرے دلِ بیمار سے
اے مسیحا دم! بچا لے مجھ کو اس آزار سے

اے ضیائے چشمِ عرفاں، اے چراغِ راہِ عشق!
تنگ آیا ہوں جفائے چرخِ ناہنجار سے

سینۂ پاکِ علی جن کا امانت دار تھا
اے شہِ ذی جاہ! تو واقف ہے ان اسرار کا

ہند کا داتا ہے تو، تیرا بڑا دربار ہے
کچھ ملے مجھ کو بھی اس دربار گوہر بار سے

اک نظر میں خسرو ملک و سخن خسرو ہوا
میں کہیں خالی نہ پھر جاؤں تری سرکار سے

تاک میں بیٹھی ہے بجلی میرے حاصل کیلئے
بیر ہے بادِ بہاری کو مرے گلزار سے

آج کل اصغر جو تھے اکبر ہیں اور مولا غلام
ہیں مجھے شکوے ہزاروں چرخِ کہن رفتار سے

کیا کروں اد روں کا شکوہ، اے امیر ملک فقر!
دشمنی میں بڑھ گئے اہل وطن اغیار سے
کہہ رہے ہیں مجھ کو پر بستہ قفس میں دیکھ کر
اڑ نہ جائے یہ کہیں پر کھول کر منقار سے
گریۂ شبنم پہ گل ہنستے ہیں کیا بیدرد ہیں
وہ جو تھی بوئے محبت اڑ گئی گلزار سے
گھات میں صیاد، مائل آشیاں سوزی پہ برق
باغ بھی بگڑا ہوا ہے عندلیبِ زار سے
کہہ دیا ہے تنگ آ کر کے اتنا بھی کہ میں مجبور تھا
خامشی ممکن نہیں خو کردۂ گفتار سے
سخت ہے میری مصیبت سخت گھبرایا ہوں میں
بن کے فریادی تری سرکار میں آیا ہوں میں
کیمیا سے بھی فزوں ہے تیری خاکِ در مجھے
ہاں عطا کر دے مرے مقصود کا گوہر مجھے
تو ہے محبوبِ الٰہی، کر دعا میرے لئے
یہ مصیبت ہے مثالِ فتنۂ محشر مجھے

ہو اگر یوسف مرا زحمت کشِ چاہِ الم
چین آئے مصرِ آزادی میں پھر کیونکر مجھے
اس بڑی سرکار کے قابل مری فریاد ہے
چل حضوری میں شہِ شبیر کی تو لے کر مجھے
میرا کیا منہ ہے کہ اس سرکار میں جاؤں مگر
تیرا جیسا مل گیا تقدیر سے رہبر مجھے
واسطہ دوں گا اگر لختِ دلِ زہرا کا میں
غم میں کیونکر چھوڑ دیں گے شافعِ محشر مجھے
رونے والا ہوں شہیدِ کربلا کے غم میں میں
کیا در مقصد نہ دیں گے ساقیٔ کوثر مجھے
دل میں ہے مجھ بے عمل کے داغِ عشقِ اہلِ بیت
ڈھونڈتا پھرتا ہے ظلِ دامنِ حیدر مجھے
ہائے ہائے پہنچے گی صدا پنجاب سے دہلی تلک
کر دیا ہے گرچہ اس غم نے بہت لاغر مجھے
آہ! تیرے سامنے آنے کے نا قابل ہوں میں
منہ چھپا کر مانگتا ہوں تجھ سے وہ سائل ہوں میں

دربار بہاول پور

سنہ ۱۹۰۳ عیسوی

ماہ رواں میں چند روز سرزمین بہاول پور نے ایسے دیکھے ہیں جن پر وہ تا دیر ناز کرے گی۔ رعایائے بہاول پور کی مخلصانہ دعائیں کامیاب ہوئیں۔ نخل تمنا ہرا ہوا۔ اور شاخ آرزو پھل لائی۔ یعنی حضور پرنور رکن الدولہ نصرت جنگ مخلص الدولہ حافظ الملک ہز ہائی نس نواب محمد بہاول خاں پنجم عباسی کو ہز ایکسلنسی وائسرائے و گورنر جنرل بہادر کشور ہند نے خود اپنے ہاتھوں سے مسند سلطنت پر بٹھایا اور زمام اختیارات ان کے ہاتھ میں دی۔ اسی خوشی کی تقریب میں جو جشن ریاست میں منایا گیا۔ وہ مدتوں یاد رہے گا۔

زمین بہاول پور ۱۲ نومبر سنہ ۱۹۰۳ء کی شام کو کثرت چراغاں سے رشک آسماں بن رہی تھی۔ اور سارا شہر ایسا معلوم ہوتا تھا۔ جیسے ایک سجی ہوئی دولہن۔ ہجوم خلائق ایسا معلوم ہو کہ آبادی گرد و نواح

میں کہیں باقی ہی نہیں رہی۔ سب کھینچ کر بہاول پور میں آگئی ہے رؤسا عالی تبار اور راجگان ذی شان کے علاوہ دیگر معزز مہمان جو ہر فرقے اور ہر طبقے کے منتخب لوگوں میں تھے اور ملک کے ہر گوشے سے آئے ہوئے تھے۔ زینتِ تقریب کو دو بالا کر رہے تھے۔

انگریز حکام کی بھی ایک معقول تعداد رونق بخش تھی۔ اس مبارک تقریب پر شیخ محمد اقبال صاحب ایم، اے سے ایک قصیدہ کہنے کی فرمائش کی گئی تھی۔ اور انہیں مدعو بھی کیا گیا تھا۔ مگر فرض منصبی سے رخصت نہ ملنے کی وجہ سے وہ جانے سے معذور رہے اور قلت فرصت سے قصیدہ بھی بعد میں مکمل ہوا۔ اس لئے ہم اسے ان ناچیز اوراق کے ذریعہ سے بندگانِ عالی تک پہنچاتے ہیں۔ صاحبان فن دیکھیں گے کہ قصیدہ کی زمین کس قدر مشکل تھی۔ مگر اس میں کیسے کیسے شعر طبع خداداد کے زور سے شاعر نے نکالے ہیں اور پرانے اور نئے رنگ کو کس خوبی سے ملایا ہے۔ چونکہ اب کے حصہ نظم پہلے لکھا جا چکا ہے اور ادھر نثر میں چند صفحوں کی گنجائش ہے اور اس قصیدہ کا اسی مہینہ میں شائع ہونا موزوں معلوم ہوتا ہے اس واسطے نثر کے حصے میں اس قصیدہ کو جگہ دیتے ہیں۔

عبدالقادر

م انجمن میں ہے گو چھوٹا سا اک اختر زمیں

آج رفعت میں ثریا سے بھی ہے اوپر زمیں

ج میں بالا فلک سے مہر میں تنویر میں

کیا نصیبہ ہے رہی ہر معرکہ میں در زمیں

تھلئے نور سے ہر ذرہ اختر خیز ہے

مہر و ماہ و مشتری جیتے ہیں اور مصدر زمیں

ے کے پیغام طرب جاتی ہے سوئے آسماں

اب نہ ٹھہرے گی کبھی اطلس کے شانوں پر زمیں

وق بک جانے کا ہے فیروزہ گردوں کو بھی

مول لیتی ہے لٹانے کے لئے گوہر زمیں

ب گل کی رگ میں ہے جنبش رگ جاں کی طرح

ہے امیں اعجاز عیسیٰ کی کہ افسوں گر زمیں

ک پر کھینچیں جو نقش مرغ بسم اللہ کا

قوت پرواز دے حرف قم کہہ کر زمیں

اف آتا ہے نظر صحن چمن میں عکس گل

بن گئی آپ اپنے آئینے کی روشن گر زمین

اس قدر نظارہ پرور ہے کہ نرگس کے عوض
خاک سے کرتی ہے پیدا چشم اسکندر زمیں

امتحاں ہو اس کی وسعت کا جو مقصودِ چمن
خواب میں سبزہ کے آ جائے آسماں بن کر زمیں

چاندنی کے پھول پر ہے ماہ کامل کا سماں
دن کو ہے اوڑھے ہوئے مہتاب کی چادر زمیں

آسماں کہتا ہے ظلمت کا جو ہو دامن میں داغ
دھو دے پانی چشمہ خورشید سے لے کر زمیں

چومتی ہے دیکھنا جوشِ عقیدت کا کمال
پائے تخت یادگارِ غم پیغمبر زمیں

زینت مسند ہوا عباسیوں کا آفتاب
ہو گئی آزادِ احسانِ شہ خاور زمیں

یعنی نواب بہاول خاں، کرے جس پر فدا
بحر موتی، آسماں انجم، زر و گوہر زمیں

جس کے بدخواہوں کی شمعِ آرزو کے واسطے
رکھتی ہے آغوش میں صد موجۂ صرصر زمیں

جس کی بزم مسند آرائی کے نظارے کو آج
دل کے آئینے سے لائی دیدۂ جوہر زمیں

فیض نقشِ پا سے جس کے ہے وہ جاں بخشی کا ذوق
شمع سے لیتی ہے پروانے کی خاکستر زمیں

جس کی راہ آستاں کو حق نے وہ رتبہ دیا
کہکشاں اس کو سمجھتا ہے فلک، محور زمیں

آستانہ جس کا ہے اس قوم کی امید گاہ
تھی کبھی جس قوم کے آگے جبیں گستر زمیں

جس کے فیض پا سے ہے شفاف مثل آئینہ
چشم اعدا میں چھپا کر خاک کا عنصر زمیں

جس کے ثانی کو نہ دیکھے مدتوں ڈھونڈے اگر
ہاتھ میں لے کر چراغ لالہ احمر زمیں

وہ سراپا نور اک مطلع خطابیہ پڑھوں
جس کے ہر مصرعہ کو سمجھے مطلع خاور زمیں

اے کہ فیض نقشِ پا سے تیرے گل بر سر زمیں
اے کہ تیرے دم قدم سے خسرو خاور زمیں

اے کہ تیرے آستاں سے آسماں انجم بجیب
اے کہ ہے تیرے کرم سے معدن گوہر زمیں

لے کے آئی ہے برائے خطبۂ نام سعید
چوب نخلِ طور سے ترشا ہوا منبر زمیں

تیری رفعت سے جو یہ حیرت میں ہے ڈوبا ہوا
جانتی ہے مہر کو اک مہرۂ ششدر زمیں

ہے سراپا طور عکس رائے روشن سے ترے
ورنہ تھی بے نور مثل دیدۂ عنبر زمیں

مایۂ نازش ہے تو اس خاندان کے واسطے
اب تلک رکھتی ہے جس کی داستاں از بر زمیں

ہو ترا عہد مبارک صبح حکمت کی نمود
وہ چمک پائے کہ ہو محسودِ ہر اختر زمیں

سامنے آنکھوں کے پھر جائے سماں بغداد کا
ہند میں پیدا ہو پھر عباسیوں کی سرزمیں

محو کردے عدل تیرا آسماں کی کجروی
کلیاتِ دہر کے حق میں بنے مسطر زمیں

صلح ہو ایسی گلے مل جائیں ناقوس و اذاں
ساتھ مسجد کے رکھے بت خانہ آئندہ زمیں
نام شاہنشاہِ اکبر زندہ جاوید ہے
ورنہ دامن میں لئے بیٹھی ہے سو قیصر زمیں
بادشاہوں کی عبادت ہے رعیت پروری
ہے اسی اخلاص کے سجدے سے قائم ہر زمیں
ہے مروت کی صدف میں گوہر تسخیر دل
یہ گوہر وہ ہے کرے جس پر فدا کشور زمیں
حکمراں مست شرابِ عیش و عشرت ہو اگر
آسماں کی طرح ہوتی ہے ستم پرور زمیں
عدل ہو مالی اگر اس کا یہی فردوس ہے
ورنہ ہے مٹی کا ڈھیلا خاک کا پیکر زمیں
ہے گل و گلزار محنت کے عرق سے سلطنت
ہو نہ یہ پانی تو پھر سرسبز ہو کیونکر زمیں
چاہیئے پہرا دماغِ عاقبت اندیش کا
بے وردی میں ہے مثالِ گنبدِ خضر زمیں

لامکاں تک کیوں نہ جائے گی دعا اقبال کی
عرش تک پہنچی ہے جس کے شعر کی اڑکر نفیر

خانداں تیرا رہے زیبندۂ تاج و سریر
جب تلک مثلِ قمر کھاتی رہے چکر زمیں

مسندِ احباب رفعت سے ثریا بوس ہو
خاکِ رختِ خوابِ اعدا کا ہو بستر زمیں

تیرے دشمن کو اگر شوقِ گل و گلزار ہو!
باغ میں سبزے کی جا پیدا کرے نشتر زمیں

ہو اگر پنہاں تری ہیبت سے ڈر کر زیرِ خاک
مانگ کر لائے شعاعِ مہر سے خنجر زمیں

پاک ہے گردِ غرض سے آئینہ اشعار کا
جو فلک رفعت میں ہو لایا ہوں وہ چن کر زمیں

تھی تو پتھر ہی مگر مدحت سرا کے واسطے
ہو گئی ہے گل کی پتی سے بھی نازک تر زمیں

اہلِ درد

۱۹۰۳ عیسوی

چند روز ہوئے اقبال، گرامی اور بسمل تینوں حضرات ایک مجلس میں تشریف رکھتے تھے۔ صاحب خانہ نے جو نواز شرنام اور تخلص رکھتے تھے ایک مصرع بردلیف "اہل درد" پڑھا، اور اس کی وجہ یہ تھی کہ اقبال نے بیان کیا تھا کہ انہیں درد قولنج کی شکایت ہے اور اس وقت اس کے آغاز کے آثار معلوم ہوتے تھے۔ اس پر غزل گوئی کی فرمائش ہوئی اور اقبال نے بحالت درد مندرجہ ذیل دو غزلیں اس زمین میں کہیں۔

مولوی عبداللہ صاحب بسمل ایک فارسی قطعہ تمہید ان کے ساتھ لکھ کر انہیں بغرض اشاعت بھیجتے ہیں۔

زندگی دنیا کی مرگِ ناگہانِ اہلِ درد
موت پیغامِ حیاتِ جاودانِ اہلِ درد

بندہو کر اور کھلتی ہے زبانِ اہلِ درد
بولتا ہے قتل نے ہر استخوانِ اہلِ درد

آپ بائع آپ ہی نقد و متاع و مشتری ۔ ساری دنیا سے نرالی ہے دکان اہل درد
اس خموشی اور گویائی کے صدقے جائیے ۔ محو شکر ہے بے زبانی ہے زبان اہل درد
بے خودی ہیں یہ پہنچ جانے میں اپنے آپ تک ۔ عین بیداری نہ ہو خواب گران اہل درد
کہہ رہی ہے ہر کلی گلزار ابراہیم کی ۔ آگ سے ہوتا ہے پیدا گلستان اہل درد
پا لیا موسے نے آخر بندۂ اللہ کو ۔ درد والوں ہی کو ملتا ہے نشان اہل درد
ان کی دنیا بھی یہی عرش معلی بھی یہی ! ۔ دل مکان اہل درد و لامکان اہل درد
ہلائے کیا محشر پہ واعظ نے اٹھا رکھی ہے بات ۔ ہے اسی دنیا میں ہوتا امتحان اہل درد
درد ہی کے دم سے ہے ان دل جلوں کی زندگی ۔ درد سے پیدا ہوئی روح روان اہل درد
یہ اجڑ جانے کو آبادی سمجھتے ہیں مگر ۔ ڈھونڈتا ہے راہزن کو کاروان اہل درد
ار نجالا ہم نے اے اقبال کہہ ڈالے یہ شعر ۔ تھی نوازش کو جو فکر امتحان اہل درد

دیگر

صبر ایوب و فا خو جز و جان اہل درد ۔ گریۂ آدم شرشت دودمان اہل درد
ہے سکوں نا آشنا طبع جہان اہل درد ۔ جوں قمر سائر ہے قطب آسمان اہل درد
اوج یک مشت غبار آستان اہل درد ۔ جوہر رفعت بلا گردان نشان اہل درد
پھیر رہے ہیں گلشن ہستی کے نظاروں میں مست ۔ نکہت گل ہے شراب ارغوان اہل درد

ابتدا میں شرحِ رمزِ آیۂ لا تقنطوا۔ کس قدر مشکل تھا پہلا امتحانِ اہلِ درد

ہم نشیں رونا ہمارا کچھ نیا رونا نہیں۔ تھی ہم آہنگ ندائے کن فغانِ اہلِ درد

شورشِ محشر جسے واعظ نے ہے سمجھا ہوا ہے وہ گل بانگ درائے کاروانِ اہلِ درد

بت کدے کی سمت کیوں جاتا ہے یا رب برہمن۔ کعبۂ دل ہی تو ہے ہندوستانِ اہلِ درد

گرمیٔ جوشِ عقیدت سے کیا کرتی ہے طوف۔ کعبۂ برقِ بلا ہے آشیانِ اہلِ درد

ذبح ہونا کوچۂ الفت میں ہے ان کی نماز۔ ہے صدا تکبیر کی گویا اذانِ اہلِ درد

دار پر چڑھنا نہ تھا معراج تھا منصور کو۔ تھی وہ سولی درحقیقت نردبانِ اہلِ درد

موجِ خونِ سرمد و تبریزی و منصور سے۔ کس قدر رنگیں ہے یا رب داستانِ اہلِ درد

تو نے اے انسانِ غافل آہ کچھ پروا نہ کی۔ بے زباں طائر سمجھتے تھے زبانِ اہلِ درد

دیدۂ سوزن سے بھی رکھتے ہیں یہ پنہاں اسے۔ کوئی کیا دیکھیگا زخمِ بے نشانِ اہلِ درد

دیکھنے والے سمجھتے تھے دمِ عیسیٰ جسے۔ تھی وہ اک موجِ نسیمِ بوستانِ اہلِ درد

پھرتے رہتے ہیں میانِ کوچۂ حبل الورید۔ ہے اسی آوارگی میں عز و شانِ اہلِ درد

کہہ دیا اقبال اک مصرع نوازش نے جو آج

وہ بہانہ ہو گیا بہرِ بیانِ اہلِ درد

سپاس جنابِ امیرؑ

ذیل کی نظم درج کر کے آج ہم ان احباب کے تقاضوں سے سبکدوش ہوتے ہیں جو پروفیسر اقبال صاحب کے فارسی کلام کے لئے اکثر دفعہ اشتیاق ظاہر کیا کرتے ہیں۔ فارسی نظمیں عموماً مخزن میں درج نہیں ہوتیں۔ تاہم احباب کے اصرار سے ہم اسے ہدیۂ ناظرین کرتے ہیں۔ یہی نظم باظہار عقیدت شیخ صاحب صبح کے وقت پڑھا کرتے ہیں۔

اے محوِ ثنائے تو زبانہا — اے یوسفِ کاروانِ جانہا

اے بابِ مدینۂ محبت! — اے نوحِ سفینۂ محبت

اے ماحیِ نقشِ باطلِ من — اے فاتحِ خیبرِ دلِ من

اے سرِّ خطِ وجوب و امکان — تفسیرِ تو سورہ ہائے قرآں

اے مذہبِ عشق را نمازے — اے سینۂ تو امینِ رازے

اے سرِّ نبوّتِ محمد! — اے وصفِ تو مدحتِ محمد

گردوں کہ بہ رفعت ایستادست — از بامِ بلندِ تو فتادست

ہر ذرّہ درگہت چو منصور — در جوششِ ترانۂ انا الطور

بے تو نتواں بادر رسیدن   بے او نتواں بتو رسیدن

فردوس ز تو چمن در آغوش   از شانِ تو حیرت آئینہ پوش

جانم بغلامیِ تو خوشتر!   سر برزدہ ام ز جیب قنبر

ہشیارم و مست بادۂ تو!   چوں سایہ ز پا فتادۂ تو

از ہوش شدم مگر بہوشم!   گوئی کہ نصیریِ خموشم!

دانم کہ ادب بضبط راز است   در پردۂ خامشی نیاز است

اما چہ کنم مئے تولا!   تند است بروں فتد ز مینا

ز اندیشۂ عاقبت رہیدم

جنسِ غمِ آل تو خریدم

فکرم چو بجستجو قدم زد   در دیر شد و در حرم زد

در دشتِ طلب بسے دویدم   دامان چو گرد باز چیدم

در آبلہ خارہا خلیدہ   صد لالہ تہِ قدم دمیدہ

افتادہ گر بروے کارم   شرمندۂ دامنِ غبارم

پویاں پئے خضر سوئے منزل   بردوش خیال بستہ محمل

چو پائے مے و شکستہ جامے   چوں صبح بباد چیدہ دامے

پیچیدہ بخود چو موج دریا   آوارہ چو گرد بادِ صحرا

واماندہ ز دردِ نارسیدن   در آبلۂ شکستہ دامن!

عشق تو دلم ربود ناگاہ! — از کار گرہ کشود ناگاہ!

آگاہ ز ہستی و عدم ساخت — بتخانۂ عقل را حرم ساخت

چوں برق بخرمنم گزر کرد! — از لذتِ سوختن خبر کرد!

بر باد متاع ہستیم داد! — جامے ز مئے حقیقتم داد

سرمست شدم ز پا فتادم — چوں عکس ز خود جدا فتادم

پیراہنِ ما و من دریدم! — چوں اشک ز چشم خود چکیدم

خاکم بفراز عرش بردی — زاں راز کہ با دلم سپردی

واصل بہ کنار گشتیم شد — طوفانِ جمال زشتیم شد

جز عشق حکایتے ندارم — پروائے ملامتے ندارم

از جلوۂ عام بے نیازم

سوزم۔ گریم۔ تپم۔ گدازم

منقول از مخزن

جنوری ۱۹۰۵ء عیسوی

مدینے کے کبوتر کی یاد

یہ نظم کلیات اقبال میں ہے۔ اور محمد ذکی صاحب ابن شمس العلما
لانا میر حسن نے بھی ایک بار اس کا ذکر کیا تھا۔

ت ہو تیری جاں پہ اے مرغِ نامہ بر۔ آیا تھا اڑ کے ذروۂ بام حرم سے تو
داز جبرئیل تھی تیری اڑان میں۔ کرتا نہ کیوں حدوث کو پیدا قدم سے تو
رم میں ترجمانی تیری منقار نغمہ زیر؛ کرتا رہا عرب کو نمایاں عجم سے تو
ں کو بسا دیا تھا شمیم حجاز میں۔ لاتا تھا تار توڑ کے زلف صنم سے تو
کو دیا پیام الف، لال، میم کا۔ نا آشنا نہ تھا رہ رسم والم سے تو
رت ہی آشیانہ ہستی سے تھی تو کیوں۔ آیا اتر کے طارم کاخ عدم سے تو
د پر ابو ہریرہؓ بھی قربان ہوں کر تھا۔ وابستگانِ دامنِ فخر الامم سے تو

شاید انہیں کی راہ میں تو ہو گیا نثار
گر نہ سکا نہ گریہ کی مشق ستم سے تو

قطعہ

موت کی ظلمت میں ہے پنہاں شرابِ زندگی
مر گیا ہوں یوں تو میں لیکن فنا کیوں کر ہوا
یوں تو مرتے ہو ہنسی بیٹھے یہ اے اقبال تم
دل تمہارا اس قدر درد آشنا کیوں کر ہوا

(۱۹۰۲ء)

نعت

نگاہِ عاشق کی دیکھ لیتی ہے پردۂ میم کو اٹھا کر
وہ بزمِ یثرب میں آ کے بیٹھیں ہزار منہ کو چھپا چھپا کر
جو تیرے کوچے کے ساکنوں کا قضا نے جنت میں ملنہ بہلا
تسلیاں دے رہی ہیں حوریں خوشامدوں سے منا منا کر
بہارِ جنت کو کھینچتا تھا ہمیں مدینہ سے آج رضواں
ہزار مشکل سے اس کو ٹالا بڑے بہانے بنا بنا کر
لحد میں سوتے ہیں تیرے شیدا تو حور جنت کو اس نے کیا ہے
کہ شورِ محشر جھبتی ہے خبر نہیں کیا سکھا سکھا کر

تری جدائی میں خاک ہونا اثر دکھاتا ہے کیمیا کا

دیار یثرب میں آ ہی پہنچے صبا کی موجوں میں مل ملا کر

شہید عشق نبی کے مرنے میں بانکپن بھی ہے کس طرح کے

اجل بھی کہتی ہے زندہ باشی ہمارے مرنے پہ زہر کھا کر

رکھی ہوئی کام آ ہی جاتی ہے جنس عصیاں عجیب شے ہے

کوئی اسے پوچھتا پھرے ہے در شفاعت دکھا دکھا کر

ترے ثنا کو عروس رحمت سے چھیڑ کرتے ہیں روز محشر

کہ اس کو تیرے لگا لیا ہے گناہ اپنے دکھا دکھا کر

کرے کوئی کیا کہ ناز لیتی ہے لاکھ پردوں میں بھی شفاعت!

رکھے تھے ہم نے گناہ اپنے ترے غضب سے چھپا چھپا کر

بتائے دیتے ہیں اے صبا ہم یہ گلستان عرب کی بو ہے!

مگر تو اب ہاتھ لا ادھر کو وہیں سے لائی ہے تو اڑا کر

تری جدائی میں مرنے والے فنا کے تیروں سے بے خطر ہیں

اجل کی ہم نے ہنسی اڑائی اسے بھی مارا تھکا تھکا کر

ہنسی بھی کچھ کچھ نکل رہی تھی مجھے بھی محشر میں تاکتی ہے

کہیں شفاعت نہ لے گئی ہو مری گناہ عمل اٹھا کر

اُڑا کے لائی ہے اے صبا تو جو بوئے زلفِ معنبریں کو
ہمیں سے اچھی نہیں یہ باتیں خدا کی رہ میں بھی کچھ دیا کر

یہ پردہ داری تو پردہ در ہے مگر شفاعت کا آسرا ہے
دبک کے محشر میں بیٹھ جاتا ہوں دامنِ تر میں منہ چھپا کر

شہیدِ عشق نبی ہوں میری لحد پہ شمعِ قمر جلے گی
اُٹھا کے لائیں گے خود فرشتے چراغ خورشید سے جلا کر

جسے محبت کا درد کہتے ہیں مایۂ زندگی ہے مجھ کو!
یہ درد وہ ہے کہ میں نے رکھا ہے دل میں اسکو چھپا چھپا کر

خیالِ راہِ عدم سے اقبال تیرے در پر ہوا ہے حاضر
بغل میں زادِ عمل نہیں ہے صلہ مری لغت کا عطا کر

ترجمہ از ڈائک

دل شمع صفت عشق سے ہو نور سراپا - اور فکر یہ روشن ہو کہ آئینہ ہو گویا
نیکی ہو ہر اک فعل میں نیت کی ہویدا - ہر حال میں ہو خالقِ ہستی پہ بھروسا
ایسی کوئی نعمت تہِ افلاک نہیں ہے - یہ بات جو حاصل ہو کہ کچھ باک نہیں ہے

(سنہ ۱۹۰۷ء)

غزل

عاشقِ دیدارِ محشر کا تمنائی ہوا - وہ سمجھتے ہیں کہ جرمِ ناشکیبائی ہوا
غیر سے غافل ہوا میں اے نمودِ حسنِ یار - عرصۂ محشر ہمیں پیدا کنجِ تنہائی ہوا
میری بینائی ہی شاید مانعِ دیدار تھی - بند جب آنکھیں ہوئیں تیرا تماشائی ہوا
ہائے میری بدنصیبی ولولے ناکامی مری - پاؤں جب ٹوٹے تو شوقِ دشت پیمائی ہوا
میں تو اس عاشق کے ذوقِ جستجو پر مر مٹا - ما عرفنا کہہ کے جو تیرا تمنائی ہوا

تجھ میں کیا اے عشق وہ انداز معشوقانہ تھا۔ حسن خود لولاک کہہ کر تیرا شیدائی ہوا
دیکھ ناداں امتیاز شمع و پروانہ نہ کر۔ حسن بن کر عشق اپنا آپ سودائی ہوا
اب مری شہرت کی سوجھی ہے انہیں دیکھے کوئی۔ پس کے میں جب دم غبار کوئے رسوائی ہوا

غزل

محبت کو دولت بڑی جانتے ہیں۔ اسے مایۂ زندگی جانتے ہیں
نرالے ہیں انداز دنیا سے اپنے۔ کہ تقلید کو خودکشی جانتے ہیں
کوئی قید سمجھے مگر ہم نوائے دل! محبت کو آزادگی جانتے ہیں
حسینوں میں ہیں کچھ وہی ہوش والے۔ کہ جو حسن کو عارضی جانتے ہیں
جو ہے گلشنِ طور لے دل تجھے ہم! اسی باغ کی اک کلی جانتے ہیں

غزل

چاہیں اگر تو اپنا کرشمہ دکھائیں ہم - بن کر خیال غیر ترے دل میں آئیں ہم
اچھی کہی شکایت جور و جفا کی تھی - اتنی سی بات کیلیے محشر میں جائیں ہم
اے صدمۂ فراق نہ کر ہم سے چھیڑ چھاڑ - تو کس کا نام ہے کہ تجھے بھی اٹھائیں ہم
پوچھیں گے آج مرغِ دل زار سے - کس طرح سے کسی کی نظر میں سمائیں ہم

ہر چیز منع تو ہے ہمیں اب طبیب عشق
لیکن بڑھے جو ضعف تو غش بھی نہ کھائیں ہم

قطعہ

یہ اشعار علامہ مرحوم نے نازلی بیگم صاحبہ جنجیرہ کے البم میں بیگم صاحبہ کی درخواست پر تحریر فرمائے تھے۔ علامہ کے جو خطوط عطیہ بیگم کے نام شائع ہوئے ہیں ان میں یہ اشعار علامہ کے قلم سے لکھے ہوئے موجود ہیں۔

اے کہ تیرے آستانے پر جبیں گستر قمر ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ اور فیضِ آستاں بوسی سے گل بر سر قمر

روشنی لے کر تری موجِ غبارِ راہ سے — دیتا ہے پھیلائے شب کو نور کی چادر قمر
کاروانِ قوم کو ہے تجھ سے زینت اسطرح — جس طرح گردِ دل پہ صد محفلِ اختر قمر
شمع بزمِ اہلِ ملت! اے چراغِ طورِ کن — یعنی ظلمت خانۂ ما را سراپا نور کن

(۹ جون ۱۹۰۸ء لندن)

غزل

یہ غزل علامہ مرحوم نے کیمبرج سے لکھ کر عطیہ بیگم صاحبہ کو لندن میں بھیجی اور بیگم صاحبہ نے جو مجموعہ علامہ کے خطوط کا شائع کیا ہے اس میں یہ غزل ہے۔

اے گل ز خار آرزو آزاد چوں رسیدۂ — تو ہم ز خاکِ ایں چمن مانندِ ما دمیدہ
اے شبنم از فضائے گل آخر بتنم چہ دیدۂ — دامن ز سبزہ چیدۂ تا بفلک رمیدہ
با من مگو کہ مثلِ گل ہمرا شاخ لبستہ باش — مانندِ موجِ بو مرا آوارہ آفریدہ
از لوحِ خویش باز پرس قصۂ جرمہائے ما — آخر جواب نامۂ از لبِ ما شنیدۂ
ہنگامہ در یک طرف شورشِ کعبہ یک طرف — از آفرینشِ جہاں درد سرے خریدۂ
ہستیم ما گدائے تو یا تو گدائے ما ستی — بہرِ نیاز سجدۂ در پیشِ ما دویدۂ ؟
اے غنی اگر بدست ما حلقہ بگردنت کشیم — ہنگامہ گرم کردۂ خود از میاں رمیدۂ
اقبال غربتِ توام نشترے بدل ہمی زند — تو در ہجومِ عالمے یک آشنا ندیدۂ

غزل

ہے کلیجا فگار ہونے کو
دامن لالہ زار ہونے کو

عشق وہ چیز ہے کہ جس میں قرار
چاہیئے بے قرار ہونے کو

جستجوئے قفس ہے میرے لئے
خوب سمجھے شکار ہونے کو

پیس ڈالا ہے آسماں نے مجھے
کس کی رہ کا غبار ہونے کو

کیا ادا تھی وہ جانثاری میں
تھے وہ مجھ پر نثار ہونے کو

زخم اور سوزنِ رفو توبہ!
کھل گیا رشتہ کار ہونے کو

وعدہ کرتے ہوئے تو رک جاؤ
ہے مجھے اعتبار ہونے کو

اس نے پوچھا کہ کون چھپتا ہے
ہم چھپے آشکار ہونے کو

ہم نے اقبال عشق بازی کی
پی ہے مے ہوشیار ہونے کو

حیدر آباد دکن

طلوعِ سحر

ہو رہی ہے زیرِ دامانِ افق سے آشکار ۔ صبح یعنی دخترِ دوشیزۂ لیل و نہار
پا چکا فرصت درودِ فصلِ انجم سے سپہر ۔ کشتِ خاور میں ہوا ہے آفتاب آئینہ کار
آسماں نے آمدِ خورشید کی پا کر خبر ۔ محملِ پروازِ شب باندھا سرِ دوشِ غبار
مہ خورشید گویا حاصل اس کھیتی کا ہے ۔ بوئے تھے دہقانِ گردوں نے جو تاروں کے شرار
ہے رواں نجمِ سحر، جیسے عبادت خانے سے ۔ سب سے پیچھے جائے کوئی عابدِ شب زندہ دار
کیا سماں ہے جس طرح آہستہ آہستہ کوئی ۔ کھینچتا ہو میاں کی ظلمت سے تیغِ آبدار
مطلعِ خورشید میں مضمر ہے یوں مضمونِ صبح ۔ جیسے خلوت گاہِ مینا میں شرابِ خوشگوار
ہے تہِ دامانِ بادِ اختلاط انگیزِ صبح ۔ شورشِ ناقوس آوازِ اذاں سے ہمکنار
جاگے کوئل کی اذاں سے طائرانِ نغمہ سنج ۔ ہے ترنم ریز قانونِ سحر کا تار تار
گرچہ قدرت نے مجھے افسردہ دل پیدا کیا ۔ آنکھ وہ بخشی کہ ہے نظارہ آشامِ بہار
کھینچ کر سمٹے گلستاں لے گیا ذوقِ نظر ۔ عاشقِ فطرت کو ہے صحنِ گلستاں کوئے یار

گل نے بلبل سے کہا اے ہمصفیر آیا ترا - کہتی تھی بلبل کہ اے مقصود چشم انتظار
اتنے دن غائب رہا تو گلشن پنجاب سے - کر لیا تھا کیا کسی صیاد نے تجھ کو شکار
کس سے کہتے راز اپنا لالہ ہائے شعلہ پوش - کس پہ کرتے درد دل اپنا عنادل آشکار
پوچھتی تھی رہ رہ کر مجھ سے نرگس شبنم فریب - ہو گیا غائب کہاں اپنے چمن کا راز دار
پھول فرقت میں تری سوزن بہ پیراہن رہے - دیدۂ قمری میں تھا صحن گلستاں خار زار
غنچۂ نوخیز کو یہ کہہ کے بہلاتی تھی میں - ہے ہمیں پوشیدہ وہ وارفتۂ فصل بہار
کچھ تو کہہ ہم سے بھی اس وارفتگی کا ماجرا - لے گیا تجھ کو کہاں تیرا دل بے اختیار

کس تجلی گاہ نے کھینچا ترا دامان دل
تیری مشت خاک نے کس دیس میں پایا قرار

کیا کہوں اس بوستان غیرت فردوس کی - جس کے پھولوں میں ہوا اے ہمنوا میرا گذار
جس کے ذرے مہر عالمتاب کو سامان نور - جس کی طور افروز لیلیٰ پہ دیدۂ موسیٰ نثار
خطۂ جنت فضا جس کی ہے دامنگیر دل - عظمت دیرینۂ ہندوستاں کی یادگار
جس نے اسم اعظم محبوب کی تاثیر سے - وسعت عالم میں پایا صورت گردوں وقار

نور کے ذروں سے قدرت نے بنائی یہ زمیں
آئینہ ٹپکے دکن کی خاک اگر پائے فشار!

آستانے پر وزارت کے ہوا میرا گذر - بڑھ گیا جس سے مرا ملک سخن میں اعتبار
اس قدر حق نے بنایا اس کو عالی مرتبت - آسماں اس آستانے کی ہے اک موج غبار

کی وزیر شاہ نے وہ عزت افزائی مری۔ چرخ کے انجم مری رفعت پہ ہوتے تھے نثار
مسند آرائے وزارت راجۂ کیواں حشم۔ روشن اس کی رائے روشن سے نگاہِ روزگار
اس کی تقریروں سے رنگیں گلستانِ شاعری۔ اس کی تحریروں پہ نظمِ مملکت کا انحصار
لیلیٰ معنی کا محمل اس کی نثر دل پذیر۔ نظم اس کی شاہدِ رازِ ازل کی پردہ دار
اس کے فیضِ پاک کی منت خواہ کانِ لعل خیز۔ بحرِ گوہر آفریں دستِ کرم سے شرمسار
سلسلہ اس کی مروت کا یوں ہی لا انتہا۔ جس طرح ساحل سے عاری بحرِ ناپیدا کنار
دل ربا اس کا تکلم، خلق اس کا عطرِ گل؛ غنچۂ گل کے لئے موجِ نفس بادِ بہار
ہو خطا کاری کا ڈر ایسے مدبر کو کہاں۔ جس کی ہر تدبیر کی تقدیر ہو آئینہ دار
ہے یہاں شانِ امارت پردہ دارِ شانِ فقر۔ خرقۂ درویشی کا ہے زیرِ قبائے زرنگار
خاکساری جوہرِ آئینۂ عظمت بنی! دستِ وقفِ کار فرمائی و دل مصروفِ یاد
نقش وہ اس کی عنایت نے مرے دل پر کیا۔ محو کر سکتا نہیں جس کو مرورِ روزگار

شکریہ احساں کا اے اقبال لازم تھا مجھے
مدح پیرائی امیروں کی نہیں میرا شعار

مکافاتِ عمل

یہ اشعار منشی سراج الدین صاحب کی بیاض سے لئے گئے ہیں جو انہوں نے کسی رسالے یا علامہ مرحوم کے کسی خط سے نقل کئے تھے ۔

ہر عمل کے لئے ہے ردِ عمل
دہر میں عیش کا جواب ہے نیش
شیر سے آسماں لیتا ہے
انتقامِ غزال و اشتر و میش
سرگذشتِ جہاں کا سرِ خفی
کہہ گیا ہے کوئی نکو اندیش
شمع پروانہ را بسوخت دلے
زود بریاں شود بروغنِ خویش

قطعہ

اقبال نے اپنی نظم "شمع اور شاعر" انجمن حمایت اسلام کے سالانہ جلسہ میں پڑھنے سے قبل مندرجہ ذیل قطعہ پڑھا۔ چونکہ نظم طویل تھی اس لئے علامہ مرحوم نے اس کو دو نشستوں میں سنایا تھا۔ ایک نشست کی صدارت فقیر افتخار الدین صاحب نے فرمائی تھی اور دوسری نشست کی صدارت مرزا سلطان احمد صاحب نے۔ اسی مناسبت سے قطعہ میں سلطان اور فقیر کی طرف اشارہ کیا۔

ہم نشینِ بے ریایم از رہِ اخلاص گفت ۔ اے کلامِ تو فروغِ دیدۂ برنا و پیر
درمیانِ انجمن معشوقِ ہرجائی مباش ۔ گاہ با سلطان باشی گاہ باشی با فقیر
گفتمش اے ہمنشیں معذور می دارم ترا ۔ در طلسم امتیازِ ظاہری ہستی اسیر
من کہ شمعِ عشق را در بزمِ دل افروختم
سوختم خود را و سامانِ دوئی ہم سوختم

پیش کش

بحضور سر سید علی امام مرحوم

مرقومہ ذیل اشعار مثنوی اسرار خودی کے پہلے ایڈیشن میں بطریق انتساب درج تھے۔ دوسرے ایڈیشن میں انتساب کو حذف کر دیا ہے مگر بعض اشعار کو تمہید میں جگہ دے دی ہے یہاں کل اشعار یک جا پیش کیے جاتے ہیں۔

اے امام اے سید والا نسب — دودمانت فخر اشراف عرب

سلطنت را دیدہ افروز آمدی — عقل کل را حکمت آموز آمدی!

آشنائے معنی بیگانہ ئی! — جلوۂ شمع مرا پروانہ ئی!

مرغ فکرم گلستان با دیدہ است — از ریاض زندگی گل چیدہ است

ایں گل از تاک رگ جاں بستہ ام — تازہ تر از دست نو گلدستہ ام

بود نقش ہستیم انگارۂ — ناقبولے، ناکسے، ناکارۂ

عشق سوہاں زد مرا آدم شدم — عالم کیف و کم عالم شدم

حرکت اعصاب گردوں دیدہ ام — در رگ مہ گردش خوں دیدہ ام

بہر انساں چشمِ من شبہا گریست ۔ تا دریدم پردۂ اسرارِ زیست
از درون کارگاہ ممکنات ۔ برکشیدم سرّ تقویمِ حیات
من کہ ایں شب را چو مہ آراستم ۔ گرد پائے ملتِ بیضاستم
ملتے در باغ و راغ آوازہ اش ۔ آتش دلہا سرود تازہ اش
ذرہ کشت و آفتاب انبار کرد ۔ خرمن از صد رومی و عطار کرد
آہ گرمم رخت بردوں کشم! گرچہ دودم از تبار آتشم
خامہ ام از ہمت فکرِ بلند ۔ راز ایں نہ پردہ در صحرا فگند
قطرہ تا ہم پایۂ دریا شود ۔ ذرہ از بالیدگی صحرا شود
ملت از جسم است شاعر چشم اوست ۔ جسم را از چشم بینا آبروست
چشم از نور محبت روشنم ۔ اشکبار از درد اعضائے تنم

لذت اشک بے قرار از من پذیر
گریۂ بے اختیار از من پذیر

تاریخِ وفات شیخ عبدالحق

چوں مے جامِ شہادت شیخ عبدالحق چشید
بادبر خاکِ مزارش رحمتِ پروردگار

با عزیزاں داغِ فرقت داد در عین شباب
آستیں ہا از دُرِ اشکِ غمش سرمایہ دار

بندۂ حق بود ہم خدمت گذارِ قوم خویش
سالِ تاریخِ وفاتِ او ز غفراں آشکار
۱۳۷۱ھ

تاریخ وفات میاں شاہدین ہمایوں

در گلستانِ دہر ہمایوں نکتہ سنج
آمد مثال شبنم و چوں بوئے گل رمیدہ
می جست عندلیب خوش آہنگ سالِ فوت
علامہ فصیح زہر چار سو شنیدہ

تاریخِ فتح سمرنا

شاخِ ابراہیم رانم مصطفے
مہدئ آخر زماں ہم مصطفے
گوش کن اے بے خبر تاریخ فتح
گفت اقبال اسم اعظم مصطفے
۱۳۴۲ھ

خلافت اور ترک وعرب

حضرت گرامی کی غزل بالا ہمارے پاس پوری نہیں بھیجی گئی ہے۔ اس غزل میں ایک شعر تھا: "نقرۂ ترکمانی ہم ہست" جو حضرت اقبال کو بہت پسند آیا تھا۔ اور اس پر تضمین کی تھی۔ حضرت اقبال اپنے ایک گرامی نامے میں لکھتے ہیں "پیام مشرق" میں اس واسطے اس کو داخل نہ کیا کہ اس کے اشعار کی بندش کچھ پسند نہ آئی۔ اگر آپ کو پسند ہو تو مجھے اشاعت میں کوئی عذر نہیں" یہ سچ ہے کہ پیام مشرق کے ساز میں یہ لحن شیرازی کچھ زیادہ سامعہ نواز نہ ہو تو بھی اس سے الگ اقبال کی صدا کا ہر لفظ گوشوارۂ حقیقت ہے۔

(معارف جلد ۱۲ نمبر ۲ صفحہ ۱۱۴)

سخنے راندہ کہ جز قرنی	بر سر مسند نبی نہ نشست
در بیں گیر از گرامی ہمہ درد	کہ بر یدہ از خود و باد پیوست
رمز ترک و خلافت عربی	گفت آں میگسار بزم الست
ماہ را بر فلک دو نیم کنیم	نقرۂ ترکمانیٔ ہم ہست

مرگ قوم

یہ اشعار علامہ رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھ سے لکھے ہوئے منشی سراج الدین صاحب کی بیاض میں چھپا ہیں شروع میں منشی سراج الدین صاحب کا یہ خیال تھا کہ یہ اشعار مثنوی اسرار خودی کے ہیں مگر جب مثنوی شائع ہوئی تو یہ خیال غلط ثابت ہوا۔

فرد می خیزد از مشتِ گلے | قوم زاید از دلِ صاحب دلے
فرد بہر شصت و ہفتاد ست و بس | قوم را صد سال مثلِ یک نفس
زندہ فرد از ارتباطِ جان و تن | زندہ قوم از حفظِ ناموسِ کہن
مرگِ فرد از خشکیِ رودِ حیات | مرگِ قوم از ترکِ مقصودِ حیات

یہ اشعار علامہ مرحوم نے جنگ عظیم سنہ ۱۹۱۴ء تا سنہ ۱۹۱۸ء کے دوران میں بعض احباب کی فرمائش پر لکھے تھے۔

ہیچ می دانی کہ صورت بند ہستی با فرانس۔ فکرِ رنگین و دلِ گرم و شرابِ ناب داد
روس را سرمایۂ جمعیت ملت ربود۔ شہر او کوہِ گران را لرزۂ سیماب داد
ملک و زیبرو تجارت را بہ انگلستاں سپرد۔ جرمنی را چشم حیران و دل بیتاب داد
تا بر انگیزد نوائے حریت از ساز دہر۔ ہند جمہوریہ، امریکہ را مضراب داد
ہر کسے در خوردِ فطرت از جنابِ او برد۔ بہر ما چیزے نہ بود و خواہش را با ما سپرد

جلیانوالہ باغ امرتسر

ہر زائرِ چمن سے یہ کہتی ہے خاکِ باغ
غافل نہ رہ جہاں میں گردوں کی چال سے

سینچا گیا ہے خونِ شہیداں سے اس کا تخم
تو آنسوؤں کا بخل نہ کر اس نہال سے

مرثیہ اکبر الہ آبادی :

یہ مرثیہ "پیام مشرق" کے پہلے ایڈیشن میں شائع ہوا تھا، مگر بعد کے ایڈیشنوں سے علامہ نے حذف کر دیا۔ اس کی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ "پیام مشرق" میں علامہ کے پیش نظر زیادہ تر وہ مسائل تھے جن کا تعلق اقوام اور ملل کی موت اور زندگی سے تھا اور مرثیہ کی نوعیت ایک دوست کا نوحہ ہونے کی حیثیت سے صرف شخصی اور ذاتی تھی۔

دریغا کہ رخت از جہاں بست اکبر۔ حیا نقش بخت بود روشن دلیلے
بر افروزندۂ طور معنی کلیمے ! ۔ بہ بت خانۂ دورِ حاضر خلیلے
نوائے سحرگاہِ کارواں را ! ۔ اذانِ درائے پیام رحیلے
ز دلہا برانگندۂ لات و عزیٰ۔ بجاہا کشائندہ سلسبیلے
دماغش ادب خوردۂ عشق و مستی۔ دلش پرورش دادۂ جبرئیلے

حالؔی اور اقباؔل

علامہ مرحوم کی سب سے پہلی نظم جو انجمن حمایت اسلام کے پلیٹ فارم پر سنائی گئی۔ وہ "نالہ یتیم" تھی۔ جو ۱۸۹۹ء کے اجلاس میں پڑھی گئی تھی یہ دل گداز اور زہرہ پاش نظم اس قدر مقبول ہوئی کہ انجمن کے جلسوں میں لوگ اقبال کی تلاش میں رہا کرتے تھے۔ علامہ بھی احباب کے اصرار و فرمائش کو رد نہ کر سکتے۔ اور جلسوں میں شرکت کرکے اپنی مؤثر نظموں سے سب کو رلاتے اور خود بھی قومی درد سے مجبور ہو کر روتے۔ انجمن کے جلسوں کی مقبولیت اور اجتماعات کی اہمیت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے۔

ایک اجلاس میں مولانا حالی۔ ڈاکٹر نذیر احمد۔ مرزا ارشد گورگانی، میاں سر محمد شفیع، سر عبدالقادر، میاں سر فضل حسین۔ مولانا ابوالکلام آزاد۔ خواجہ حسن نظامی وغیرہ جیسے اکابر جمع تھے۔ رسم تھی کہ کسی کا کوئی شعر پسند کیا جاتا تو داد اس طرح دیتے کہ انجمن کو نقد عطیہ پیش کیا کرتے تھے۔

اقبال نے نظم پڑھی۔ مولانا حالی مرحوم نے ایک شعر بہت پسند کیا اور انجمن کو دس روپے کا نوٹ عطا فرمایا۔ سارا میدان نعرہ ہائے تحسین سے گونج اٹھا۔ شاعر کی اس سے زیادہ ہمت افزائی اور کیا ہو سکتی ہے کہ حالی جیسے

سخن حالی اس کے کلام کی داد دے۔ کچھ عرصہ بعد مولانا حالی کے پڑھنے کی باری آئی یہ وہ وقت تھا کہ ان کی آواز مشکل سے سنی جاتی تھی۔ چونکہ اس جلسہ میں جہاں لاتعداد انسانوں کا مجمع تھا۔ لوگ بے قرار تھے کہ خود اس مصلح اعظم کی زبان فیض ترجمان سے اس کا پیغام سنیں۔ اس لئے عجیب افراتفری سی پیدا ہو چلی۔ آخر شیخ عبدالقادر صاحب نے کھڑے ہو کر مجمع کو خاموش کیا اور فرمایا کہ آپ مولانا حالی کی زبان سے تبرکاً کا جو کچھ بھی سنا جا سکے سن لیجئے۔ بعد کو یہی نظم اقبال پڑھ کر سنائیں گے۔

جب اقبال مولانا حالی کی نظم سنانے کھڑے ہوئے تو اول ایک رباعی فی البدیہہ کہہ کر پڑھی جو اس موقع کے لحاظ سے بھی نیز اپنی بلاغت کے اعتبار سے بھی بہت خوب ہے کہا تھا۔

مشہور زمانے میں ہے نام حالی — معمور مئے حق سے ہے جام حالی
میں کشور شعر کا نبی ہوں گویا — نازل ہے مرے لب پہ کلام حالی

مندرجہ ذیل اشعار جو حالی کی صد سالہ سالگرہ پر نواب بھوپال کی موجودگی میں پڑھے گئے اور یہ اب تک اقبال کی کسی کتاب میں درج نہیں ہوئے ہیں۔

مزاج ناقہ را مانند عرفی نیک می بینم — چو محمل را گراں بینم حدی را تیز تر خوانم
حمید اللہ خاں اے ملک و ملت را فروغ از تو — ز الطاف تو موج لالہ خیزد از خیابانم
طواف مرقد حالی سزد ارباب معنی را — نوائے او بجانہا افگند شورے کہ من دانم

بیا تا فقر و شاہی در حضورِ دلہم سازیم ۔ تو بر خاکِ سگہر افشاں و من برگِ گل افشانم

ایک دوسرے موقعہ پر حالی سے متعلق مندرجہ ذیل قطعہ کہا تھا ۔

آں لالۂ صحرا کہ خزاں دید و بیفسرد ۔ بیدِ دگر او را لمعے از اشک سحر داد !
حالی ز نواہائے جگر سوز نیاسود ۔ تا لالۂ شبنم زدہ را داغ جگر داد

عرشی، اقبال اور ظفر علیخاں

خمخانۂ اقبال کے مستوں کو شاید مئے ناب میں حضرت عرشی اور مولانا ظفر علیخاں کے اشعار کی آمیزش خوشگوار نہ معلوم ہو مگر ان دونوں نظموں سے علامہ کے اشعار کی وضاحت ہوتی ہے لہذا ان کو یہاں یک جا جمع کر دیا گیا ہے ۔

پیام عرشی امرتسری بنام اقبال

اے ترنم ہائے رنگینت گلستانِ سخن ۔ ہستی ہمتی و ہست بخشندۂ جانِ سخن
اے حیاتِ تازہ دادی نغمہ را از نطقِ خویش ۔ گشتہ شور افگن ارض و سما از نطقِ خویش

اے عروسِ طبع برما جلوہ ہا پاشیدۂ ۔ در چمن زارِ تکلّم تازہ گلہا چیدہ
شعلہ سوز اندرو از آتش نوائی ہائے تو ۔ بادہ کیف آموز از تخییل ذوق افزائے تو
بر فراز طارم اعلیٰ لوا افراختی ۔ نرد خود را در قمارِ جمع ما در باختی
یافت از تو مرکزے ہنگامہ بزمِ ما ۔ ریختی تخمِ سکوں در مزرعہ سیماب ما
لیکن اے اقبالؔ ایں رنگیں نوائی تا بکے ۔ از نفس گرمی دا از دل شعلہ زائی تا بکے
اے توئی در آشیان و گلشنت برباد رفت ۔ نغمہ ماندی و پرواز تو با صیاد رفت
خیز و گلبانگ دہل در گنبدِ خضرا فگن ۔ از قبور آیند خلقے شورِ صور آسا فگن
خیز و صوتِ خود بہ آہنگِ حجر تبدیل کن ۔ قطرۂ داری بیا و در چشمہ تحلیل کن
خیز زیں گنجِ متانت جلوہ برما فگن ۔ ہاں بیا ہمچوں ثنائی گامے در میدان فگن

علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کا جواب

دانی کہ چیست شیوۂ مستانِ پختہ کار ۔ عرشی مگاں مدار کہ پیمانہ ام شکست
دارم ہنوز از کرمِ ساقیٔ حجاز ۔ آں مے دروں تاب کہ خیزد ز سینہ مست
از شاخسارِ فطرتِ من می دمد ہنوز ۔ آں لالہ کہ موجِ نسیم دلش نہ خست
لیکن شنیدۂ کہ دمِ گردشِ شراب ۔ پیرِ عجم چہ گفت بہ رندانِ مے پرست

دانا کہ دید شعبدۂ چرخِ حقہ باز
ہنگامہ باز چیدہ و در گفتگو ببست

(۲۲ مئی ۱۹۲۰ء (زوال آل عثمان)

عرشی اور اقبال کی قیل و قال پر ظفر علی خاں کا محاکمہ

بندہ نواز ہم سے نہیں کچھ چھپی ہوئی ۔ پیرِ فلک کی شعبدہ بازی کی بود و ہست
مانا کہ آسماں سے شمس و قمر کی فوج! پیہم اتر رہی ہے کہ ظلمت کو دے شکست
لیکن نہ قولِ سعدیٔ شیراز بھولیے ۔ چھوٹا نہیں جو ہاتھ سے سررشتۂ الست
"رفتن بپائے مردیٔ ہمسایہ در بہشت ۔ حقا کہ با عقوبتِ دوزخ برابر است"

غزل

بلا کشانِ محبت کی یادگار ہوں میں ۔ مٹا ہوا خطِ لوحِ سرِ مزار ہوں میں
فنا ہوئے پہ بھی گو باوفا شعار ہوں میں ۔ جو مٹ گیا تو حسینوں کا اعتبار ہوں میں
نشہ میں مست سمجھتا ہے مجھ کو کیوں واعظ ۔ وہ مینا دغط کہے جاتے ہوشیار ہوں میں
تڑپ کے شانِ کریمی نے لے لیا بوسہ ۔ کہا جو سر کو جھکا کر گناہگار ہوں میں
رہی نہ زہر میں اقبال وہ پرانی بات ۔ کسی کے ہجر میں جینے سے شرمسار ہوں میں

غزل

کیا تھا گردشِ ایام نے مجھے محزوں
بدل میں جان تھی جیسے قفس میں صید زبوں
جو سامنے تھی مرے قوم کی بُری حالت
اُمڈ گیا مری آنکھوں سے خون کا سیحوں
ہزار شکر کہ اک انجمن ہوئی قائم!
یقین ہے راہ پہ آئے گا طالعِ واژوں
ہلال وار اگر منہ میں دو زبانیں ہوں
ادا نہ پھر بھی ہو شکر خدائے کن فیکون
کرم سے اس کے وہ صورت فلاح کی نکلی
کہ حصن قوم ہر اک سر سے ہو گیا مصئوں
چراغ عقل کو روشن کیلئے ظلمت میں
ہمارے ہاتھ میں آجائے گا درِ مکنوں
بڑھے یہ بزم ترقی کی دوڑ میں یا رب
کبھی نہ ہو قدم تیز آشنائے سکوں

اسی سے ساری اُمیدیں بندھی ہیں اپنی کہ ہے

وجود اس کا پے فقر قوم مثل ستون

کچھ ان میں شوق ترقی کا جلد سے بڑھ جائے

ہماری قوم پہ یا رب وہ پھونک دے افسون

دکھائیں فہم و ذکا فرہنگ یہ اندروں کو

زمانے بھر کے یہ حاصل کریں علوم و فنون

جو تیری قوم کا دشمن ہو اس زمانے میں

اُسے بھی باندھ دے اقبال صورت مضمون

شیخ عطا اللہ صاحب ایم، اے مرتب "اقبال نامہ" راقم کو اپنے ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں: "کوشش تو کر رہا ہوں کہ اقبال کے ہاتھ کی ہر نوعیت کی تحریریں دستبرد زمانہ سے محفوظ ہو جائیں تین سو (غیر مطبوعہ) انتخابات کے ایک پوسٹر سے لاہور سے ملے ہیں۔ امید کہ ان کے مطالعہ سے آپ کو مسرت حاصل ہو گی۔ خیال ہے کہ اقبال نامہ کے صفحہ اول پر انہیں درج کراؤں" جس پوسٹر میں یہ اشعار تھے وہ شیخ صاحب کے پاس موجود ہے۔ مگر اس کے علاوہ کوئی شہادت ایسی نہیں ہے جس سے ثابت ہو سکے کہ یہ اشعار

علامہ مرحوم ہی کے ہیں۔ اگر ناظرین میں سے کسی کو اس کا علم ہو۔ تو براہ کرم راقم الحروف کو مطلع فرمائیں۔

احتساب خویش کن از خود مرد
یک دو دم از غیر خود بیگانہ شو
تا کجا ایں خوف و وسواس و ہراس
اندریں کشور مقام خود شناس

ایں چمن دارد بسے شاخ بلند
بر نگوں شاخے آشیانِ خود مبند

قطعہ

حکیم عبدالوہاب صاحب انصاری عرف حکیم نابینا جو شروع میں حیدرآباد دکن میں سکونت پذیر تھے مگر بعد میں دہلی میں مطب فرمانے لگے تھے۔ اپنے فن میں یگانۂ روزگار تھے۔

علامہ مرحوم نے آخری زمانہ علالت میں حکیم صاحب قبلہ کی طرف رجوع کیا تھا۔ حکیم صاحب نے علامہ کے لئے اپنی شہرۂ آفاق دوا روح الذہب تجویز فرمائی تھی۔ اس دوا سے علامہ کو بہت فائدہ ہوا تھا۔ اس افاقہ کے تاثرات علامہ نے اس قطعہ میں قلم بند فرمائے ہیں۔ یہ قطعہ علامہ مرحوم نے جناب نذیر نیازی کو ایک خط میں لکھ کر بھیجا تھا۔ تاکہ حکیم صاحب قبلہ کے گوش گذار کر دیں۔ جناب نذیر نیازی نے اس واقعہ کا ذکر اپنے مضمون "اقبال کی آخری علالت" میں تحریر فرمایا ہے:-

ہے دو روحوں کا نشیمن پیکرِ خاکی مرا
رکھتا ہے بیتاب دونوں کو مرا ذوقِ طلب
ایک جو اللہ نے بخشی مجھے صبحِ ازل!
دوسری ہے آپ کی بخشی ہوئی روح الذہب

مولانا محمد علی مرحوم کی وفات پر

یہ اشعار علامہ مرحوم نے مولانا محمد علی مرحوم کی انگلستان میں وفات پر لکھے تھے۔ اور جریدوں میں شائع ہو چکے ہیں۔ راقم الحروف نے یہ اشعار سر عبد القادر کی زبانی سنے تھے۔ عبد القادر صاحب کو یہ مصرعہ بیحد پسند تھا ۔ "سوئے گردوں رفت زاں راہے کہ پیغمبر گذشت"

یک نفسِ جانِ نزار او تپید اندر فرنگ
تا شررہ بر سیم زنیم از ماہ و پرویں ہم گذشت

اے خوشا مشتِ غبار او کہ در جذبِ حرم!
از کنار اندلس از ساحلِ بربر گذشت

خاک قدس او را بآغوشِ تمنا در گرفت
سوئے گردوں رفت زاں راہے کہ پیغمبر گذشت

می نگنجد جز بآں خاکے کہ پاک از رنگ و بوست
بندہ کو از تمبر اسود و احمر گذشت

جلوۂ او تا ابد باقی بچشم آسیاست
گرچہ آں نورِ نگاہ خاور از خاور گذشت

(منقول از بیاضِ منشی سراج الدین صاحب)

دُعا

مولانا عبد المجید صاحب سالک بی، اے مدیر "انقلاب" نے اقبال اور اس کا پیغام (جو ڈاکٹر تصدق حسین صاحب خالد اور میاں محمد رفیق صاحب خاور کی کوششوں کا نتیجہ ہے) کے دیباچہ میں علامہ مرحوم کے یہ اشعار نقل کئے ہیں۔ مولانا کی تمہید کے ساتھ یہاں نقل کئے جاتے ہیں۔

"آج سے چند سال پیشتر جب علامہ اقبال درد گردہ میں مبتلا ہوئے تو اس ظالم مرض کی صعوبت سے بیزار ہو کر آپ نے خدا کو مخاطب کیا کہ

دہ مرا فرصت ہو حق دو سہ روزے دگرے

کہ دریں دیر کہن بندۂ بیدار کجا است

میر و مرزا بسیاست دل و دیں باختہ اند!

جز برہمن پسرے محرم اسرار کجا است

حرفِ ناگفتہ مجالِ نفسے می خواہد!

ورنہ ما را بہ جہانِ تو سر و کار کجا است

متفرقات

یہ باب ان اشعار پر مشتمل ہے جو اصل نظموں سے حذف کر دیئے گئے تھے۔ اصل نظمیں مختلف مجموعوں میں شائع ہو چکی ہیں۔ چونکہ ہمارے لئے یہ متروکہ اشعار بھی ایک گراں بہا سرمایہ ہیں۔ اس لئے ان کو یک جا کر کے زیور طباعت سے آراستہ کرنا ضروری سمجھا گیا۔

غزل

مرقومہ ذیل دو اشعار اس غزل کے ہیں جو علامہ مرحوم نے طالب علمی کے زمانے میں حکیم امین الدین صاحب مرحوم کے مکان واقعہ اندرون بھاٹی دروازہ میں ایک مشاعرے میں پڑھے تھے۔ اس مشاعرے میں جناب ارشد گورگانی بھی موجود تھے اور انہوں نے پہلے شعر پر بے حد داد دی تھی۔ پوری غزل کے حاصل کرنے کی بے حد کوشش کی گئی۔ مگر کامیابی نہیں ہوئی۔ یہ دو شعر یہاں اس لئے درج کئے جاتے ہیں کہ جن صاحب کے پاس باقی اشعار ہوں وہ براہ کرم ارسال فرماویں۔

موتی سمجھ کے شانِ کریمی نے چن لئے
قطرے جو تھے مرے عرقِ انفعال کے

اقبال لکھنؤ سے نہ دلّی سے ہے غرض
ہم تو اسیر ہیں خمِ زلفِ کمال کے

غزل

(پوری غزل کے بارہ شعر ہیں)

ہمصفیر، تم مری عالی نگاہی دیکھنا!
شاخِ نخلِ طور نازاں تھی آشیانے کے لئے

قصہ خواں نے کیوں سنادی داستاں مجھکو مری
رہ گیا تھا میں ہی کیا اپنے فسانے کے لئے

عشق نے مٹی کو مسجودِ ملائک کر دیا
ورنہ انساں اور فرشتے سر جھکانے کے لئے

صبحِ پیدائش یہ کہتا تھا کسی سے دردِ عشق
آنکھ رونے کے لئے دل ٹوٹ جانے کیلئے

ترک کردی تھی غزل خوانی مگر اقبال سے
یہ غزل لکھی ہمایوںؔ کو سنانے کے لئے

ہ۔ میاں محمد شاہدین ہمایوں بیرسٹر ایٹ لا

(۱۹۰۱ء)

غزل

(۱۹۰۳ء عیسوی)

پوری غزل کے انیس شعر ہیں۔ جو شعر "بانگِ درا" میں نہیں ہیں صرف اِن کو درج ذیل کیا جاتا ہے۔

نہ سیکھی تو نے مرغِ رنگِ گل سے رمزِ آزادی ۔ یہ قیدِ بوستاں بلبل خیالِ آشیاں تک ہے
بنائیں چارہ گر نے دیدۂ حیراں کی زنجیریں ۔ نظر آسا مری وحشت میں بیتابی یہاں تک ہے
ہیں خارِ خشک بھی تو شعلۂ گلخن کے قابل ہوں ۔ پڑے رہنا مرا گلشن میں رحمِ باغباں تک ہے
مثالِ عکس بے تابِ نفس ہے زندگی میری ۔ تری آسیب کاری اے اجل اقلیمِ جاں تک ہے
زباں تک عقدۂ بتخالہ بن کے رہ گیا مطلب ۔ اثر مجھ دل جلے کی لعنۃ کاری کا کہاں تک ہے
نہیں منت پذیرِ چشم رونا شمعِ سوزاں کا ۔ سمجھ غافل گدازِ دل میں آزادی کہاں تک ہے
بھلا اے گل کبھی اس رمز کو بھی تو نے سمجھا ہے ۔ تری شبنم فریبی کیوں بہارِ بوستاں تک ہے

یہ جا اقبال فیضِ یادِ نامِ مرتضیٰ جس سے
نگاہِ فکر میں خلوت سرائے لامکاں تک ہے

صبح کا ستارہ

عارضی حسن ہے دشمن ہے مرا نورِ سحر
بے ملا خسروِ خاور کا پیامی بن کر
صبر کا خون نکل آیا ہو مل کر مجھ میں
ایک طوفاں ہو افکار کا مضمر مجھ میں

(۱۹۰۴ء)

صدائے درد

صدائے درد کے عنوان سے جو نظم "بانگ درا" میں ہے اس میں مرقومہ ذیل اشعار نہیں ہیں۔

پھر بلا لے مجھ کو اے صحرائے وسط ایشیا ۔ آہ اس بستی میں اب میرا گزارا ہو چکا

پار لے چل مجھ کو پھر اے کشتیِ موجِ اٹک ۔ اب نہیں بھاتی یہاں کے بوستانوں کی مہک

ہاں سلام اے مولدِ لوداسف گوتم تجھے ۔ اب فضا تیری نظر آتی ہے نامحرم مجھے

الوداع اے سیرگاہِ شیخ شیراز الوداع ۔ اے دیارِ بالمیک نکتہ پرداز الوداع

الوداع اے مدفنِ ہجویری اعجاز دم ۔ رخصت اے آرام گاہِ شنکر جادو رقم

الوداع اے سرزمینِ نانک شیریں بیاں ۔ رخصت اے آرام گاہِ چشتی عیسیٰ بیاں

رمزِ الفت سے مرے لعلِ وطن غافل ہوئے ۔ کارزارِ عرصۂ ہستی کے ناقابل ہوئے

اپنی اصلیت سے ناواقف ہیں کیا انساں نہیں ۔ غیر اپنوں کو سمجھتے ہیں عجب ناداں ہیں

جن کا اک مدت سے دھڑکا تھا وہ دن آ ہی گئے ۔ صفحۂ ہستی سے اپنا نام مٹ جانے کو ہے

دل حزیں ہے، جاں رہینِ رنجِ بے اندازہ ہے ۔ آہ اک دفتر ہے اپنا وہ بھی بے شیرازہ ہے

امتیازِ قوم و ملت پر مٹے جاتے ہیں یہ ۔ اور اس الجھی ہوئی گتھی کو سلجھاتے نہیں یہ

ہم نے یہ مانا کہ مذہب جان ہے انسان کی ۔ کچھ اسی کے دم سے قائم شان ہے انسان کی

روح کا جوبن نکھرتا ہے اسی تدبیر سے۔ آدمی سونے کا بن جاتا ہے اس اکسیر سے
رنگِ قومیت مگر اس سے بدل سکتا نہیں۔ خونِ آبائی رگِ تن سے نکل سکتا نہیں
اصل محبوبِ ازل کی ہیں یہ تدبیریں سبھی۔ اک بیاضِ نظمِ ہستی کی ہیں تصویریں سبھی
ایک ہی شے ہے اگر ہر چشمِ دل مخمور ہے۔ یہ عداوت کیوں ہماری بزم کا دستور ہے

عہدِ طفلی

یہ نظم "بانگِ درا" میں ہے مگر قومہ ذیل بند اس میں نہیں ہیں۔

ہاں اٹھا لے ساحرِ ایام یہ جادو ذرا
ابلقِ گردوں نہ ہو محرومِ آہو ذرا
ہائے پھر آ جا کہیں سے عمرِ رفتہ تو ذرا
لا وہ نظارہ پئے چشمِ تماشا جو ذرا
خون رلواتے ہیں ایامِ جوانی کے مزے
لا کہیں سے پھر وہی ایامِ طفلی کے مزے

ہائے وہ عالم کہ عالمگیر تھی اپنی ادا

غیرتِ صد فصلِ گل تھی اپنے گلشن کی ہوا
مکتبِ طفلی میں غیر از درسِ آزادی نہ تھا
زنگِ اذکارِ جہاں سے شیشۂ دل تھا صفا

مایہ دارِ صد مسرت اک تبسم تھا مرا
گوشِ دل لگ جائیں جب پردہ تکلم تھا مرا

آہ اے دنیا نمک پاشِ خراشِ دل ہے تو
جس کے ہر ملنے میں سو بجلی ہوں وہ حاصل ہے تو
جو مسافر سے پرے ہٹتی ہے وہ منزل ہے تو
جس کی لیلیٰ مایۂ وحشت ہو وہ محمل ہے تو
میرے ہاتھوں کوئی جویائے تسکیں نہ ہو
ایمن از مارِ زمینِ گلستاں گلچیں نہ ہو

التجائے مسافر

یہ نظم "بانگ درا" میں موجود ہے۔ محذوفہ اشعار کو یہاں درج کیا جاتا ہے نیز نظم کے شان نزول میں مولانا سید غلام بھیک نیرنگ کے رشحات قلم بھی کچھ کم دلچسپ نہیں ہیں، ہم اشعار کے ساتھ سید صاحب موصوف کی عبارت بھی نقل کئے دیتے ہیں۔ کہ ناظرین کا لطف دوبالا ہو جائے۔

"۲ ستمبر ۱۹۰۵ء ہمارے خاص احباب کی تاریخ محبت میں ایک قابل یادگار دن ہے۔ صبح کا سہانا سماں ہے بمبئی میل دہلی کے ریلوے اسٹیشن پر پہنچا ہے۔ خواجہ سید حسن نظامی دہلوی اور منشی نذر محمد بی اے اسٹیشن پر استقبال کو آئے۔ استقبال کس کا ہے۔ جدید شاعری کی روح رواں اقبال یا اقبال اور اس کے ہمراہیوں کا۔ وہ کیسے؟ اقبال بغرض تعلیم علوم وفنون انگلستان کو روانہ ہوئے ہیں۔ نیرنگ اور اکرم اپنے پیارے دوست کو رخصت کرنے کے لئے دہلی تک ساتھ گئے ہیں۔ ریل سے اتر کر اول منشی نذر محمد صاحب کے مکان پر تھوڑی دیر آرام کیا بعد میں سب دوست مل کر حضرت محبوب الٰہی خواجہ نظام الدین اولیا قدس سرہ کی درگاہ آسماں پائے گاہ کی طرف روانہ ہوئے۔ راستہ میں شہنشاہ ہمایوں کے مقبرے

کی زیارت کی۔ درگاہ میں پہنچ کر مزار مبارک پر حاضر ہوئے۔ اول اقبال نے عالم تنہائی میں مزار مبارک کے سرہانے بیٹھ کر ذیل کی نظم پڑھی اور ان کی درخواست پر سب احباب باہر صحن میں ٹھہرے رہے۔ بعد میں دوستوں کے اصرار پر اقبال نے اس نظم کو درگاہ کے صحن میں بیٹھ کر مزار مبارک کی طرف منہ کر کے دوبارہ ایک نہایت درد انگیز اور دل نشین لہجہ میں پڑھا۔ سب احباب اور دیگر سامعین نہایت متاثر ہوئے اور بے تحاشا زبان سے موقع بموقع کلمات تحسین و آفریں نکلتے تھے ایک محویت کا عالم تھا۔ کہ جس کی تصویر حاضرین کے تصور ہی کھینچ سکتے ہیں درگاہ سے واپس ہو کر خواجہ حسن نظامی صاحب کے مکان پر قیام کیا۔

ولایت نامی ایک نوعمر قوال خواجہ صاحب کی خدمت میں حاضر تھا نو تعلیم تھا۔ مگر خوش گلو اور باطبیعت وہ کچھ گاتا رہا اور وقت نہایت مزے اور کیفیت سے گزرا۔ اس کے بعد شہر کو واپس ہوئے۔ واپسی کے وقت حاتم الشعرا مرزا اسد اللہ خاں غالب کی تربت پر حاضر ہوئے عجیب کیفیت تھی بندہ نیرنگ مرزا صاحب کی تربت کے سرہانے لوح تربت پر ہاتھ رکھے ہوئے بیٹھا تھا۔ میرے دائیں جانب اقبال عالم محویت میں بیٹھے تھے اور تربت کے گرداگرد تمام پارٹی حلقہ باندھے ہوئے تھی۔ دو بجے دن کا وقت اور دن بھی ستمبر کا، دھوپ تیز اور ہوا

میں گھمس تھی مگر اسی قبر کی زیارت کا اثر تھا کہ کسی کو گرمی کا خیال تک نہ تھا۔ قوال زادے کو عجیب وقت کی سوجھی۔ بولا حضور! مرزا غالب کی ایک غزل یاد آئی اگر اجازت ہو تو سناؤں۔

سرو دستان یا دو ہا نیدن۔ یہاں عذر کس کو تھا۔ چنانچہ اُس نے یہ غزل گائی۔

دِل سے تری نگاہ جگر تک اُتر گئی
دونوں کو اک ادا میں رضامند کر گئی

ذیل کے دو شعروں پر عجیب کیفیت رہی۔

اُڑتی پھرے ہے خاک مری کوئے یار میں
بارے اب اے خدا ہوس بال و پر گئی

وہ بادہ شبانہ کی سر مستیاں کہاں
اُٹھیے بس اب کہ لذتِ خواب سحر گئی

غزل کے ختم ہونے پر جب ایک دو منٹ میں ذرا ہوش بجا ہوئے تو سب چلنے کو اُٹھے۔ اقبال نے جوش محویت میں مرزا صاحب کے مزار کو بوسہ دیا اور سب شہر کو روانہ ہوئے۔

اچھا اقبال!

یہ سفر رفتنت مبارک باد بسلامت روی و باز آئی

زندہ رہیں گے تو تین سال بعد تیرے کلام کو تیری زبان سے پھر سنیں گے

ترے وجود سے روشن ہے راہِ منزلِ عشق ۔ دیارِ عشق کا مصحف کلام ہے تیرا
خروشِ میکدۂ شوق ہے ترے دم سے ۔ طلب ہو خضر کو جس کی وہ جام ہے تیرا
کرم کرم کہ غریب الدیار ہے اقبال ۔ مریدِ پیرِ نحیف ہے غلام ہے تیرا
کیا ہے تیرا مقدر نے ملح خواں مجھ کو ۔ کہے ہزار مبارک مری زباں مجھ کو
چڑھا کے پھول مرے رنگِ رفتہ کے سرِ قبر ۔ اڑائے پھرتی ہے حیرت کہاں کہاں مجھ کو
بیاں کر دل تپشِ عشق کو تو آتشِ دل ۔ شرار سے دے پئے تمہیدِ داستاں مجھ کو
میں تفتہ دل ہوں پرانا نیاز مند ترا ۔ دکھایا آج خدا نے یہ آستاں مجھ کو
تلاشِ مہر میں شبنم صفت اڑا کے چمن ۔ ذرا سا دیتا ہے غنچہ کا آشیاں مجھ کو
گریز میرے دلِ دردمند کا ہے شعار ۔ بہت ستاتا ہے اندیشۂ زیاں مجھ کو
بنایا تھا جسے چن چن کے خار و خس میں نے ۔ چمن میں پھر نظر آئے وہ آشیاں مجھ کو
مرادِ یار بھی معشوق بھی برادر بھی ۔ کہ جس کے عشق سے جنت ہے یہ جہاں مجھ کو
یونہی بنی رہے محفل مرے احباب کی ۔ ہرا بھرا نظر آئے یہ بوستاں مجھ کو
بھلا ہو دونوں جہاں میں حسن نظامی کا ۔ ملا ہے جس کی بدولت یہ آستاں مجھ کو
قسم ہے اس کے دلِ دردمند کی آقا ۔ تری ثنا کے لئے حق نے دی زباں مجھ کو

خفتگانِ خاک سے استفسار

(۱۹۰۳ء)

یہ نظم بھی علاوہ ذیل کے اشعار کے بانگِ درا میں موجود ہے۔

کام دھندا ہو چکا اب نیند ہے آرام ہے
ہائے وہ آغازِ محنت جس کا یہ انجام ہے
وہ ولایت بھی ہمارے دیس کی صورت ہے کیا
شب وہاں کی کیا ہے صبح و شام کی رنگت ہے کیا
اس جدائی میں نہفتہ وصل کا ساماں ہے کیا
چشم بستہ سرمہ گوہر پے انساں ہے کیا

غزل

مندرجہ ذیل اشعار کے علاوہ باقی اشعار بانگ درا میں موجود ہیں

کوئی یوں گیا ہے ادھر سے نکل کر
قیامت تھی بجلی تھی رفتار کیا تھی

نہ چھوڑا کبھی بے وفائی نے تم کو
مری طرح یہ بھی وفادار کیا تھی

ہزاروں کلیجے کو تھامے ہوئے ہیں
الٰہی وہ چشم فسوں کار کیا تھی

لیا مغفرت نے تڑپ کر بغل میں
کرامت تھی شرم گنہگار کیا تھی

یہ تمام قطعات مولوی عبدالرزاق صاحب نے کلیاتِ اقبالؔ میں سے نقل کئے ہیں۔

(۱)

اخبار میں یہ لکھتا ہے لندن کا پادری ۔ ہم کو نہیں ہے مذہبِ اسلام سے عناد
لیکن وہ ظلم ننگ ہے تہذیب کے لیئے ۔ کرتے ہیں ارمنوں پہ جو ترکانِ بدنہاد
مسلم بھی ہوں حمایتِ حق میں ہمارے ساتھ ۔ مٹ جائے تا جہان سے بنائے شر و فساد
سن کر یہ بات خوب کہا شہسوار نے ۔ بلّی چوہے کو دیتی ہے پیغامِ اتحاد

(۲)

بختِ مسلم کی شبِ تار سے ڈرتی ہے سحر ۔ تیرگی میں ہے یہ شب دیدۂ آہو کی طرح
ہے اندھیرے میں فقط مولوی صاحب کی نمود ۔ بن کے شمس العلما چمکے ہیں جگنو کی طرح

(۳)

ہند کی کیا پوچھتے ہو اے حسینانِ فرنگ ۔ دل گراں ہمت سبک ٹوٹ فزوں ہمدردی تنگ
بے ٹکٹ بے پاس بھارت کی سیاسی ریل میں ۔ ہو گیا آخر سنیا بھی مع اسباب بک
"ملک و دل" کا حکم تھا اس بندۂ اللہ کو ۔ اب یہ سنتے ہیں نکلنے کو ہے "مسلم آوٹ لک"
کیا عجب پہلے ہی لیڈر میں یہ کر دے آشکار ۔ کس طرح آیا کو بیک آؤٹ گیا صاحب کا لک
ختم تھا مرحوم اکبر پر ہی یہ رنگِ سخن ۔ ہر سخن ور کی یہاں طبع رواں جاتی ہے رک
قافیہ اک اور بھی اچھا تھا لیکن کیا کریں ۔ کر دیا متروک دلی کے زباں دانوں نے ٹک

(۴)

عمل عاشقوں کے میں لیے طوق عار کے ۔ نہیں اس کمیٹی کا کوئی ایجنڈا

تمہیں ہند سرمایہ دارو مبارک! سلامت رہے مجھ کو فیجی، یوگنڈا
میں ڈنڈے پہ شاکر تو انڈے پہ راضی۔ مرا پیر ڈنڈا ترا پیر انڈا!

(۵)

بڑی خوب جمن کے ہاتھوں نصیبن۔ گئی عرس میں اور شب بھر نہ آئی
نہیں بار صاحب کے ٹیبل پر اس کو۔ پڑی روپ لبلکٹ کا دھار حلائی
خدا کی زمیں تھی مزارع نے جوتی۔ کمائی مگر چودھری جی نے کھائی

(۶)

جناب شیخ کو بلواؤ خاص لندن کی۔ عجیب نسخہ ہے یہ خود فراموشی کیلئے
ہمارے حق میں تو جینا بدتر ہے مرنے سے۔ جو زندہ ہیں تو فقط آپ کی خوشی کیلئے
ہوا ہیں جینے سے بیزار جب تو فرمایا۔ کہاں سے لاؤ گے بندوق خودکشی کیلئے

(۷)

محنت و سرمایہ دنیا میں صف آرا ہو گئے۔ دیکھئے ہوتا ہے کس کس کی تمناؤں کا خون
حکمت و تدبیر سے یہ فتنۂ آشوب خیز۔ ٹل نہیں سکتا وقد کنتم بہ تستعجلون
کھل گئے یاجوج اور ماجوج کے لشکر تمام۔ چشم مسلم دیکھ لے تفسیر حرف ینسلون

(۸)

یہ قطعہ علامہ مرحوم نے عطیہ بیگم کو ایک خط میں لکھا تھا چنانچہ
عطیہ بیگم کے نام علامہ کے جو خطوط شائع ہوئے ہیں اس مجموعہ میں قطعہ موجود ہے

مندمل زخم دل بنگال آخر ہو گیا — وہ جو تھی پہلے تمیز کافر و مومن گئی
تاج شاہی بھی کلکتے سے دلی آگیا — مل گئی بابو کو دھوتی اور پگڑی چھن گئی

یتیم کا خطاب ہلال عید سے

باوجود
بے حد کوشش کرنے کے اس نظم کے چند ہی بند دستیاب ہو سکے تھے۔ ان کو باقیاتِ اقبال میں میں شامل کر لیا گیا تھا۔ مگر کتابت کے دوران میں جناب عنایت اللہ صاحب کاتبِ ایڈیشن اول کی عنایت سے پوری نظم مل گئی۔ لہٰذا اب بطور ضمیمہ کے قارئین کرام کی خدمت بصد پیش کی جاتی ہے۔

بندہ واحد

بند اوّل

اے مہِ عید بے حجاب ہے تو
حسن خورشید کا جواب ہے تو

اے گریبانِ جامۂ شبِ عید
شاہدِ عیش کا شباب ہے تو

اے نشانِ رکوعِ سورۂ نور!
نقطۂ کلکِ انتخاب ہے تو

اے جوابِ خطِ جبینِ نیاز
طاعتِ صوم کا ثواب ہے تو

ہائے اے حلقۂ پرِ طاؤس
قابلِ ذالک الکتاب ہے تو

فوجِ اسلام کا نشاں تو ہے
چشمِ نصرت کا انتخاب ہے تو

چشمِ طفلی نے جب تجھے دیکھا
کہہ دیا خواب کو کہ خواب ہے تو

طوفِ منزل گہِ زمیں کے لئے
ہمہ تن پائے در رکاب ہے تو

یہ ابھرتے ہی آنکھ سے چھپنا
روشنی کا مگر حباب ہے تو

تو کمندِ غزالِ شادی ہے
لذت افزائے شورِ طفلی ہے

بند دوم

مقصدِ دیدۂ امید ہے کل
گوہرِ عیش کی خرید ہے کل

دیدۂ مہرِ عالم آرا ہیں
سرمۂ عید کی کشید ہے کل

گلشن نو بہارِ ہستی ہیں
سبزۂ عیش کی دمید ہے کل

کحلِ محرابِ ہر جبینِ نیاز
زینت افزائے عینِ عید ہے کل

اے مہِ نو ترا پیامِ طرب
ہے شنیدہ آج چشم دید ہے کل

اے نسیمِ نشاطِ روحانی
باغِ دل میں تری وزید ہے کل

ہے یہی نغمۂ لبِ طفلی
ہاتھ لانا ادھر کہ عید ہے کل

کمسنوں کو یہ کہہ رہا ہے ہلال
لو میاں شب بخیر عید ہے کل

مہربالیں لباسِ طفلی ہے
میری عریاں تنی کی عید ہے کل
اے مہِ نو خوشی ہو کیا جی کو
ترے آنے سے کیا یتیمی کو

بند سوم

جھوٹ ہے عید کا ہلال ہے تو
ساغرِ بادۂ ملال ہے تو

کہہ سنا قصۂ ستم زدگاں
کہ ہمارا لبِ مقال ہے تو

اے گدائے شعاعِ پرتوِ مہر!
ہمہ تن کاسۂ سوال ہے تو

چشمۂ مہر پہ نظر ہے تری
تشنہ کامی کمال ہے تو

یہ دکھاوا ہے سب تلاشِ کمال
یا بہ مہرِ نگہ زوال ہے تو

ہائے شاید خبر نہیں تجھ کو
اپنی امید کا مآل ہے تو

بڑھ گیا خم مرے مقدر کا
کیوں نہ کہہ دیں کہ تمثال ہے تو

میرے شوقِ لباس کے لیئے
سبق آموزِ انفعال ہے تو

کیا بتاؤں تجھے کہ کیا ہوں میں !
تجھ کو حسرت سے دیکھتا ہوں میں

بند چہارم

ستم گوشِ باغباں ہوں میں — خبرِ آمدِ خزاں ہوں میں

شرمسارِ متاعِ ہستی ہوں — مایۂ نازشِ زباں ہوں میں

مجھ سے شرما گیا تبسم بھی — اک سراپا لبِ فغاں ہوں میں

بار ہوں طاقتِ شنیدن پر — کس مصیبت کی داستاں ہوں میں

آہ منزل نہیں نصیبوں میں! — موجِ گردِ کارواں ہوں میں

اپنی بے مائیگی پہ نازاں ہوں — مفت جاتا ہوں کیا گراں ہوں میں

اے فلک خوانِ زندگی پہ مگر — کوئی ناخواندہ میہماں ہوں میں

ستم ناروا سے مرتا ہوں — آسماں کا مزاج داں ہوں میں

آرزو یاس کو یہ کہتی ہے — اک مٹے شہر کا نشاں ہوں میں

ایسی قسمت کسی کی ہوتی ہے
آہ میری اثر کو روتی ہے

بند پنجم

بن کے نشتر چبھا ہے تو دل میں
آرزو ہو گئی لہو دل میں

چاک دل پر نثار ہوتی ہے
حسرتِ سوزنِ رفو دل میں

یاس نقشہ جمائے جاتی ہے
چھپتی پھرتی ہے آرزو دل میں

درد تیزی سے بڑھ گیا اے غم!
کیا رہی تیری آرزو دل میں

دو گھڑی بیٹھنے نہیں دیتی
ہے کوئی چیز فتنہ خو دل میں

گرہِ رشتۂ حیات نہ ہو
یہ جو ہوتی ہے آرزو دل میں

دیکھ اے یاس اب تلک باقی
خون امید کی ہے بو دل میں

عمر تیری پڑی ہے یاد پدر
تھی ابھی تیری گفتگو دل میں

اے خیال مسرت طفلی
آ گیا ہے کدھر سے تو دل میں

دردِ دل کا بھی کیا فسانہ ہے
خون رونے کا اک بہانہ ہے

بند ششم

مصرِ ہستی میں شام آتی ہے
رنگ اپنا جمائے جاتی ہے

اے سبوئے مے شفق اے شام
تو مے بے خودی پلاتی ہے

سرمۂ دیدۂ افق بن کر
چشمِ ہستی میں تو سماتی ہے

کس خموشی سے اڑ رہے ہیں طیور
تو رہِ آشیاں دکھاتی ہے

زیرِ فرقِ دانہائے اختر کو
مرزعِ آسماں میں آتی ہے

تو پرِ طیرِ آشیاں رو کو
چشمِ صیاد سے چھپاتی ہے

صبح در آستیں ہے تو شاید
آنکھ اختر کی کھلتی جاتی ہے

تو پیامِ وفاتِ بیداری
محفلِ زندگی میں لاتی ہے

اپنے دامن میں بھر کے غنچہ و گل
خواب لے کر چمن میں آتی ہے

تیری تاثیر ہو گئی آخر
میری تقدیر ہو گئی آخر

بند ہفتم

آبرو جائے موت کی نہ کہیں
موت بن جائے بے کسی نہ کہیں

درد کو زندگی سمجھتے ہیں!
جاوداں ہو یہ زندگی نہ کہیں

ہوں وہ بیکس کہ ڈرتا رہتا ہوں
چھوڑ دے مجھ کو بے کسی نہ کہیں

زخم منت پذیر مرہم ہے!
چھپ کے سنتی ہو چاندنی نہ کہیں

غنچۂ دل میں ہے چٹک ایسی
اس کلی میں ہو بے کلی نہ کہیں

ہوں نفس دو نفس مثالِ سحر
موت ہو میری زندگی نہ کہیں

گاہے ماہے ہلال آتا ہے
ہو لبِ جاں مفلسی نہ کہیں

ماہ کے بھیس میں نمایاں ہو
اپنی تقدیر کی کجی نہ کہیں

خطِ دستِ سوال ہے اپنا
ہو رگِ جاں مفلسی نہ کہیں

قابلِ بحرِ زندگی نہ ہوا
ٹکڑے ٹکڑے مرا سفینہ ہوا

بند ہشتم

سیر میں اب نہ دل لگائیں گے — کس کی انگلی پکڑ کے جائیں گے

صبح جانا کسی کا وہ گھر سے — اور وہ رونا کہ ہم بھی جائیں گے

کھیل میں آ گئی جو چوٹ کبھی — کس کی آنکھوں سے اب چھپائیں گے

کوئی ناغہ جو ہو گیا تو کسے — ساتھ مکتب میں لیکے جائیں گے

سننے والے گذر گئے اے دل — اپنے شکوے کسے سنائیں گے

اٹھ گئے آہ قدرداں اپنے — لکھ کے تختی کسے دکھائیں گے

دردِ دل کی زبان نرالی ہے — تجھ کو اے خامشی سکھائیں گے

کس غضب کے ہیں نصیب اپنے — رونے آئے رونے جائیں گے

عید آئی ہے اے لباسِ کہن — اب ترے چاک پھر سلائیں گے

عید کا چاند آشکار ہوا
نیرِ غم کا جگر کے پار ہوا

بند نہم

آنکھ میں تار اشک پیہم ہے
کیا رواں آب خنجر غم ہے

دیکھ اے ضبط گر نہ جائے کہیں
اشک غم آبروئے ماتم ہے

اے مہ عید تو ہلال نہیں
سینہ کاوی کو ناخن غم ہے

پھول ایسا ہے اشک چشم میں نم
رونق خانۂ محرم ہے

اس گلستاں میں آشیاں ہے مرا
ہر شجر جس کا نخل ماتم ہے

کس کے نظارۂ مصیبت کو
ماہ بام فلک پہ یوں خم ہے

خون امید یہ اشک نہیں
کس کھلاوے میں چشم پرنم ہے

پوچھنا اے نفس نکل کے ذرا
کیوں اجل کا مزاج برہم ہے

اے فلک کیوں زمیں ہے برسر کیں
میری بربادیوں کو تو کم ہے

ہے جو دل میں نہاں کہیں کیونکر
مفلسی کے ستم سہیں کیونکر

بند دہم

ہاتھ اے مفلسی صفا ہے ترا
ہائے کیا تیر بے خطا ہے ترا

تیرہ روزی کا تجھی پہ ہے مدار
بد نصیبی کو آسرا ہے ترا

مایۂ صد شکستِ قیمتِ دل
دہر میں ایک سامنا ہے ترا

تو بھلا مجھ پہ کیوں نثار نہ ہو
کم نصیبی تو مدعا ہے ترا

مسکراتا ہے تجھ کو دیکھ کے زخم
یہ کوئی صورت آشنا ہے ترا

التجا پر خموشیِ منعم!
ایک فقرا جلا بھنا ہے ترا

یہ بھی کیا دامنِ یتیمی ہے
نام کیسا نکل گیا ہے ترا

موت مانگے سے بھی نہیں آتی
درد کیا زندگی مزا ہے ترا

شورِ آوازِ چاکِ پیراہن
لبِ اظہارِ مدعا ہے ترا

ہیں جہاں کو غموں کے خار پسند
اس چمن کو نہیں بہار پسند

بند یازدہم

چمن خار خار ہے دنیا
خونِ صد نو بہار ہے دنیا

زندگی نام رکھدیا کس نے
موت کا انتظار ہے دنیا

ہے نسیم جہاں خزاں پرور
دیکھنے کو بہار ہے دنیا

ڈھونڈ لیتی ہے اک نہ اک پہلو
درد کی غمگسار ہے دنیا

ہے تمنا فزا ہوائے جہاں
کیا شکستِ خمار ہے دنیا

خون روتا ہے شوقِ منزل کا
رہزن رہ گذار ہے دنیا

جان لیتی ہے جستجو اس کی
دولتِ زیر بار ہے دنیا

یاس و امید کا ملاوا ہے
کوئی جاتی بہار ہے دنیا

خندہ زن ہے فلک رو دنِ جہاں
چرخ کی رازدار ہے دنیا

اہل دنیا و شرحِ دردِ جگر
رگِ بے خون و کاوشِ نشتر

بند دوازدہم

کیا قیامت ہیں غم کے آنسو بھی — بڑھتا جاتا ہے دردِ پہلو بھی
نوکِ مژگاں ہے نشترِ رگِ اشک — خوں فشاں ہو رہے ہیں آنسو بھی
ٹوٹی پھوٹی زباں میں کہتا ہے — رنگِ احوال دردِ پہلو بھی
سوزشِ اشکِ غم ہے برقِ مژہ — جل گیا سبزۂ لبِ جو بھی
آہ اے چشمِ اشک ریزِ یتیم — خواب کا اک خیال ہے تو بھی
حسرتِ دیدِ غم گسار نہ پوچھ — چشم ریزاں ہیں میرے آنسو بھی
قطرۂ خوں تو عام ہے لیکن — دل کو کہتے ہیں دردِ پہلو بھی
آ ترے صدقے اے خیالِ پدر — عید کا چاند ہو گیا تو بھی
ہائے اے برق بن گئی گر کر — میرے حاصل کی آبرو تو بھی

عید کا چاند اضطراب بنا
طاقِ آتش گہِ عذاب بنا

بند سیزدہم

طعن دیتا ہے کس بلا کے مجھے — آسماں بن گیا ستا کے مجھے
ہائے بے خود کیا تصور نے — داستانِ غرب سنا کے مجھے
ہے تصدق مری یتیمی پہ — کوئی نقشہ دکھا دکھا کے مجھے
چاہئے اے خیالِ پاسِ ادب — تو کہاں لے گیا اڑا کے مجھے
ہائے اے آتشِ فراقِ پدر — خاک کر دے جلا جلا کے مجھے
اے یتیمی فتادگی بن کر — چھوڑنا خاک میں ملا کے مجھے
لب اُٹھانا وا ہوا نہ کبھی — تم نے دیکھا ہے آزما کے مجھے
پردہ رکھ لے شکستہ پائی کا — کارواں لے چلے اُٹھا کے مجھے
زندگی کیا اسی کو کہتے ہیں — کہ مزے مل گئے فنا کے مجھے

عرش ہلتا ہے جب یہ روتے ہیں
کیا یتیموں کے اشک ہوتے ہیں

بند چہاردہم

کیا ہنسی ضبط کی اڑاتے ہیں — اشک آ آ کے چھیڑ جاتے ہیں
اک بہانہ ہلال عید کا ہے — قوم کو حال دل سناتے ہیں
کس مزے کی ہے داستاں اپنی — قوم ہنستی ہے ہم ہنساتے ہیں
دیکھ اے زندگی مرے آنسو — یہ ترے نقش تو مٹاتے ہیں
ہاں بتا اے فلک کہ طفلی میں — درد کو کس طرح چھپاتے ہیں
خاک راہ فنا میں اڑتی ہے — منہ کفن میں چھپائے جاتے ہیں
وہ بھی ہنستے ہیں اے خدا کوئی — جو مصیبت کو بھول جاتے ہیں
اس طرح کی ہے داستاں اپنی — ہے عیاں جس قدر چھپاتے ہیں
ہم نہ بولیں تو خامشی کہہ دے — یہ قیامت کے دکھ اٹھاتے ہیں

آبرو بڑھ گئی خموشی کی !!
یہ زباں بن گئی یتیمی کی !

بند پانزدہم

رنگ گلشن جو ہو خزاں کے لئے
قہر ہوتا ہے باغباں کے لئے

چاہیئے پاس برق کا لے دل
ہو خس خشک آشیاں کے لئے

اڑ کے آتا ہے رنگ عارض زرد
کس مصیبت کی داستاں کے لئے

حال دل کا سنا دیا سارا
کچھ بھی رکھا نہ رازداں کے لئے

ہے اقامت طلب جدا مری
قوم ہو خضر اس مکاں کے لئے

ہاتھ لے قوم مہرباں تیرا
ابر ہے کس کے گلستاں کے لئے

حال اپنا اگر تجھے نہ کہیں
اور رکھیں اسے کہاں کے لئے

صورت شمع خانۂ مفلس
خامشی ہے مری زباں کے لئے

اب مگر ضبط کا نہیں یارا
لب ترسنے لگے فغاں کے لئے

درد مند دل کی درد خواہ ہے قوم
بیکسوں کی امید گاہ ہے قوم

حافظ شیرازی

پہلے راقم الحروف کا ارادہ تھا کہ مرقومہ ذیل اشعار کو باقیات اقبال میں شامل نہ کیا جائے مگر بعض احباب کا اصرار ہے کہ انہیں ضرور شائع کیا جائے اسلیئے کہ اگرچہ علامہ نے ان اشعار کو اسرار خودی کے دوسرے ایڈیشن میں سے حذف کر دیا تھا مگر علامہ کے خیالات میں کسی قسم کا تغیر نہ آیا تھا۔ لہذا یہ اشعار بطور ضمیمہ کے شائع کئے جاتے ہیں۔ بندہ واحد

هوشیار از حافظ صہبا گسار — جامش از زہر اجل سرمایہ دار

رہن ساقی خرقۂ پرہیز او — مے علاج ہول رستاخیز او

نیست غیر از بادہ در بازار او — از دو جام آشفتہ شد دستار او

چوں خراب از بادۂ گلگوں شود — مایہ دار حکمت قارون شود

کشتی اقلیم او مینا بدوش — محتسب ممنون پیر مے فروش

طوف ساغر گردش رنگ مے — خواست فتوی از رباب و چنگ و نے

در ہوس عیش و مستی کاملے — از خم خوش دردے بادر گلے

رفت در شغل ساغر و ساقی گزاشت — زمزلال و مے باقی گزاشت

چوں جرس صد نالہ رسوا کشید — عشق ہم در منزل جاناں خرید

در محبت پیرو فرہاد بود — برلب او شعلۂ فریاد بود

تخم نخل آہ در کہسار کاشت — طاقت پیکار با خسرو نداشت

مسلم و ایمان او زنار دار — رخنہ اندر دینش از مژگان یار

آنچناں مست شراب بندگی است — خواجہ محروم ذوق خواجگی است

"دعوی او نیست غیر از قال و قیل — دست او کوتاہ و خرما بر نخیل"

آں فقیہ ملّتِ مے خوارگاں
آں امامِ امّتِ بیچارگاں

گوسفنداست و نوا آموخت است
عشوہ و ناز و ادا آموخت است

دل رُبا ئیہائے او زہر است و بس
چشمِ او غارت گرِ شہر است و بس

ضعف را نامِ توانائی دہد
سازِ او اقوام را اغوا کند

از برِ یونان زمین از رک تر است
پردۂ عودش حجابِ اکبر است

نغمۂ چنگش دلیلِ انحطاط
ہاتف او جبرئیلِ انحطاط

بگذر از جامش کہ در مینائے خویش
چوں مریداں حسن دارد حشیش

از خیل خفتے پیدا کند
مر ترا از نیستی شیدا کند

ناوک اندازے کہ تاب از دل برد
ناوکِ او مرگ را شیریں کند

مار گلزارے کہ دارد زہرِ ناب
صید را اوّل ہمیں آرد بخواب

عشق یا سحر نگاہش خود کشی است
کشتنش مشکل کہ بازِ خانگی است

حافظِ جادو بیاں شیرازی است
عرفی آتش زباں شیرازی است

ایں سوئے ملکِ خودی مرکب جہاند
آں کنارِ آبِ رکن آباد ماند

ایں قتیلِ ہمّتِ مردانہ!
آں زرمزِ زندگی بیگانہ!

دست ایں گیرد ز انجم خوشہ
چشمِ آں از اشک دارد توشہ

روزِ محشر رحم اگر گوید بگیر
عرفیا! فردوس و حورا مد حریر

عیشِ او خندہ بر حوراں زند
لیست یا رجنت الماوئے زند

بادہ زن با عرفیِ ہنگامہ خیز
زندۂ؟ از صحبتِ حافظ گریز

ایں فسوں خوانِ زندگی از یار بود
جام او شانِ جمی از یار بود

محفلِ او درخورِ ابرار نیست
ساغرِ او قابلِ احرار نیست

بے نیاز از محفلِ حافظ گذر!
الحذر از گوسفنداں الحذر

ـــــــــــــــــ